آزمائشی اشاعت

گُلزارِ اُردو

گیارھویں جماعت کے لیے

اُردو نصاب (لازمی) ۲۰۱۹ء کے مطابق

سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ

ناشر:

قاضی ایسوسی ایٹس۔ کراچی

جملہ حقوق بہ حق سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ محفوظ ہیں
تیار کردہ : سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

منظور شدہ : نظامتِ نصاب، جائزہ و تحقیق سندھ، جام شورو اور محکمہ تعلیم و خواندگی برائے اسکول سندھ۔
جائزہ شدہ : صوبائی کمیٹی برائے جائزہ درسی کتب و نصاب سندھ۔
مراسلہ نمبر: ایس او (سی) ایس ای ایل ڈی / ایس ٹی بی بی-۱۸ / ۲۰۲۱ بہ تاریخ ۲۴ فروری ۲۰۲۱

نگرانِ اعلیٰ

پرویز احمد بلوچ
چیئرمین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو

نگراں

ناہید اختر

مصنفین / مؤلفین

- محمد ناظم علی خان ماتلوی
- پروفیسر ڈاکٹر عتیق احمد جیلانی
- ڈاکٹر شاہ انجم
- ڈاکٹر محمد سعید

صوبائی جائزہ کمیٹی

- سید مسرّت حسین رضوی
- محمد وسیم مغل
- عطاءُاللہ خان
- مشتاق احمد انصاری

نظر ثانی کمیٹی

- پروفیسر محمد محسن شیخ
- منور عباس
- ڈاکٹر بلقیس گل

مدیر

ڈاکٹر شذرہ حسین شر

پروف خوانی

ڈاکٹر نثار احمد

مطبع: قاضی پرنٹنگ پریس، کراچی

قائدِ اعظمؒ محمد علی جناح نے فرمایا:

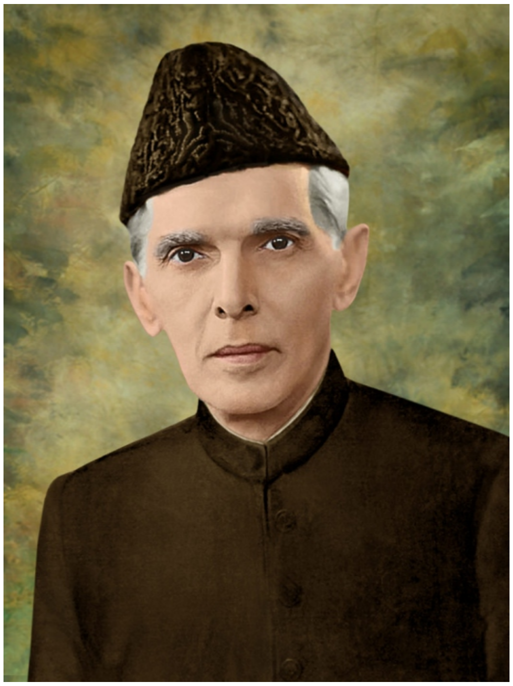

"آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں۔ اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں۔ آپ کی تعلیم کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ آپ دورِ حاضر کے حالات کا مطالعہ کریں۔ یہ دیکھیں کہ آپ کے گرد دنیا میں کیا ہورہا ہے۔ ہماری زندگی کے لیے تعلیم موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔"

(۲۶- ستمبر ۱۹۴۷ء)

"ہم جتنی زیادہ تکلیفیں سہنا اور قربانیاں دینا سیکھیں گے، اُتنی ہی زیادہ پاکیزہ، خالص اور مضبوط قوم کی حیثیت سے ابھریں گے جیسے سونا آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے۔"

(پیغامِ عیدالاضحیٰ ۲۴- اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اظہارِ تشکّر

سندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ، ورثائے مُصنفین و شعرائے کرام اور مختلف اداروں کا شکر گزار ہے کہ اُنھوں نے اس مجموعے میں طبع کردہ افسانوں، مضامین اور خطوط وغیرہ کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

برائے اساتذہ
(پڑھانے سے پہلے اسے ضرور پڑھیے)

درسی کتاب " گلزارِ اُردو" برائے گیارھویں جماعت میں تدریسِ زبان کے تین پہلو نمایاں ہیں۔

۱۔ تدریسِ نثر　　۲۔ تدریسِ نظم　　۳۔ تدریسِ قواعد

اِن تین پہلوؤں کے حوالے سے ذیل میں ہدایات برائے اساتذہ پیش کی جارہی ہیں تاکہ تدریسی و آموزشی عمل کو دل چسپ، مؤثر اور نتیجہ خیز بنایا جاسکے۔

۱۔ تدریسِ نثر : نثری اسباق کی تدریس کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ میں توجہ سے سُن کر سمجھنے، درست تلفّظ اور لب و لہجے سے بول کر اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کرنے، مجوّزہ مواد تفہیم عبارت کی تدابیر اختیار کرتے ہوئے سمجھ کر پڑھنے اور ذخیرۂ الفاظ کا موزوں اور بر محل استعمال کرتے ہوئے لکھ کر اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کی صلاحیتیں پیدا کی جاسکیں۔ بنیادی مہارتوں کے علاوہ نصابِ اُردو میں مزید پانچ مہارات درج ذیل ہیں جن میں زبان شناسی (قواعد)، تقریر، انشا پردازی (تخلیقی تحریر) مہاراتِ حیات اور تنقید و استحسان شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ طلبہ میں تخلیقی صلاحیتوں، تنقیدی فکر اور جمہوری رویّوں کا فروغ بھی جدید تعلیم و تدریس کا لازمی تقاضا ہے۔

اِن مقاصد کے تحت نثری اسباق کی تدریس میں درج ذیل اقدامات کیجیے۔

سب سے پہلے ہر سبق کے آغاز میں دیے گئے حاصلاتِ تعلّم پر غور کیجیے کہ سبق کے تدریسی مقاصد کیا ہیں اور وہ کون سی مہارتیں اور اہلیتیں ہیں جو طلبہ سبق کی آموزش کے ذریعے حاصل کریں گے۔

۱-۱۔ سابقہ واقفیت فعال کرنا (ACTIVATING BACKGROUND KNOWLEDGE) :

سبق پڑھانے سے قبل طلبہ کو نئی معلومات، تصوّرات اور مہارات سیکھنے کے لیے آمادہ کرنا ایک ضروری مرحلہ ہے اس مقصد کے لیے دل چسپ اور ترغیبی تکنیکیں اور تدابیر اختیار کیجیے مثلاً :

سبق کے عُنوان / مواد سے متعلق:

- سوال و جواب کرنا
- تصاویر دکھانا
- مختصر کہانی / واقعہ یا خبر سُنانا
- ذہنی تحریک (BRAINSTORMING) پیدا کرنا (سبق کا عُنوان بورڈ پر ایک دائرے میں لکھیے اور عُنوان پر طلبہ کی سابقہ معلومات دریافت کرکے دائرے کے اطراف لکھتے جائیے)

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ذہنی آمادگی کی اِس سرگرمی کا دورانیہ مختصر ہونا چاہیے تاکہ سبق کی معلومات اور اس کی تفہیم و وضاحت کو زیادہ وقت دیا جاسکے۔

۲-۱۔ نئی معلومات کی تشکیل (CONSTRUCTIVE NEW KNOWLEDGE) :

سبق کا یہ مرحلہ مقرّرہ دورانیے (PERIOD) میں سب سے زیادہ وقت کا متقاضی ہوتا ہے کیوں کہ اس میں اساتذہ و طلبہ کی زیادہ سرگرمیاں ہوتی ہیں اس مرحلے پر درج ذیل اقدامات کیجیے :

- مصنف کا تعارف : ہر سبق کے آغاز میں متعلقہ مصنّف کا مختصر تعارف نکات کی صورت میں دیا گیا ہے ان نکات کو مختصراً بیان کیجیے۔
- سبق کا تعارف : سبق میں شامل صنفِ اَدب کا مختصر تعارف کرائیے مثلاً مضمون، افسانہ، ناول، سفر نامہ وغیرہ۔
- بلند خوانی و خاموش خوانی : چوں کہ یہ اعلیٰ ثانوی سطح ہے لہٰذا اس مرحلے میں بلند خوانی سے زیادہ خاموش خوانی کے ذریعے تفہیم عبارت پر زور دینا چاہیے۔ فعال آموزشی تدابیر (ACTIVE LEARNING STRATEGIES) اختیار کرتے ہوئے طلبہ کو گروہوں (GROUP) یا جوڑیوں (PAIR) میں تقسیم کیجیے اور سبق کے پیراگراف کی تعداد کی مناسبت سے ایک ایک یا دو دو پیراگراف طلبہ کے ہر گروپ یا جوڑے کو تفویض کیجیے کہ انھیں پڑھیں، سمجھیں اور اہم نکات نوٹ کرتے جائیں۔ ساتھ ہی پیراگراف سے متعلق مشقی سوالات بھی بتادیجیے کہ پڑھ کر ان سوالات کے جوابات تحریر کریں۔ طلبہ کو یہ بھی بتا دیجیے کہ اُن کو دیے گئے پیراگراف کے نئے الفاظ کے معنی کتاب کے آخر میں دی گئی فرہنگ میں موجود ہیں۔ یہاں اس بات کو یقینی بنائیے کہ گروہ یا جوڑی میں شامل ہر طالب علم/طالبہ تفہیمی و آموزشی عمل میں فعالیت سے شریک ہے اس مقصد کے لیے کمرۂ جماعت میں ہر گروہ کے پاس جائیے اور مشاہدہ کیجیے۔ اس طلبہ مرکوز طریقے (STUDENT-CENTERED APPROACH) میں آپ کا کردار آموزشی سہولیات پہنچانے والے (FACILITATOR) کا ہے۔ سبق کے نئے الفاظ طلبہ کے ذخیرہ الفاظ میں محفوظ بنانے کے لیے محض ان کی معنی بتادینا کافی نہیں بلکہ جملوں میں ان کا استعمال بتانا بھی ضروری ہے تاکہ طلبہ یہ الفاظ اپنی تحریر و تقریر میں استعال کر سکیں۔

طلبہ کو دیے گئے مقررہ وقت کے بعد ہر گروہ یا جوڑے سے پیش کش (PRESENTATION) کرائیے ہر گروہ پیش کش کے دوران دوسرے گروہ کو متوجہ رہنے کی ہدایت کیجیے۔ پیش کش کے بعد مؤثر، تعمیری اور بروقت بازرسی (FEEDBACK) فراہم کیجیے۔

۳-۱۔ خلاصہ سبق (SUM-UP):

تمام سرگرمیوں کے اختتام پر سبق کے اہم نکات کا خلاصہ پیش کیجیے تاکہ سبق کا اعادہ ہو سکے۔

۴-۱۔ جانچ (ASSESSMENT):

طلبہ کے حاصلات کی جانچ دو طریقوں سے ہوسکتی ہے اوّل دورانِ تدریس جانچ (FORMATIVE ASSESSMENT) جو پڑھانے کے دوران کی جاسکتی ہے طلبہ کے کیے گئے کاموں سے اُن کی تفہیم و حاصلات کا علم ہوجاتا ہے کہ وہ تصورات و معلومات سمجھ رہے ہیں یا نہیں۔

دوسرا طریقہ بعد از تدریس جانچ/کلّی جانچ (SUMMATIVE ASSESSMENT) کا ہے جس میں سبق کے اختتام پر مختلف نوعیت کے مشقی سوالات دیجیے۔

۵-۱۔ جانچ (ASSIGNMENT):

سبق کے تصورات و معلومات پختہ کرنے اور تحریری صلاحیت میں فروغ کے لیے تفویض کار (ASSIGNMENT) دیجیے بعد ازاں اس کی جانچ کرکے بروقت بازرسی (FEEDBACK) بھی فراہم کیجیے۔

ا۔ تدریسِ نظم : تدریسِ نظم میں بھی تدریسِ نثر میں متذکرہ اقدامات ہی اختیار کیجیے تاہم نظم کی تدریس کا مقصد الفاظ و معلومات فراہم کرنے سے زیادہ طلبہ کے ذوقِ جمال اور قوت متخیّلہ کا فروغ ہے۔ شعر خوانی کا شوق پیدا کرنا

اور الفاظ کے وزن و آہنگ کا احساس دلانا تدریسِ نظم کے خاص اہداف ہیں۔ تدریس نظم کے ذیل میں بیان کردہ اقدامات ذہن میں رکھتے ہوئے تدریسِ نظم کے لیے درج اقدامات کیجیے:

- شاعر کا تعارف
- صنفِ سُخن کا تعارف
- سابقہ معلومات فعال کرنا
- نئی معلومات کی تشکیل: نئے الفاظ و تراکیب کے معنیٰ پہلے سے تیار کردہ چارٹ بورڈ پر تحریر کردیجیے۔

اس مرحلے میں غزل، نظم وغیرہ کی مثالی بلند خوانی میں دُرست تلفّظ، لَے، آہنگ اور تاثر کا خاص خیال رکھیے۔ طلبہ سے بھی بلند خوانی کرائیے۔ دورانِ بلند خوانی تلفظ کی غلط ادائی پر نہ روکیے بلکہ اغلاط بورڈ پر تحریر کرتے جائیے۔ بعد از بلند خوانی الفاظ کا درست تلفظ مع معنیٰ بتائیے۔

اشعار کی تفہیم کے لیے پہلے طلبہ کو موقع فراہم کیجیے کہ اشعار سمجھیں بعد ازاں اصلاح کرتے ہوئے اشعار کی تشریح و توضیح کیجیے۔ اسی طرح مشقی سوالات بھی پہلے طلبہ سے کروائیے اور پھر ان کے کام کی جانچ کرتے ہوئے مؤثر، تعمیری اور بروقت بازرسی (FEEDBACK) فراہم کیجیے۔

۳۔ تدریسِ قواعد/صنائع بدائع: قواعد کی تدریس کے دو طریقے ہیں۔

(الف) استخراجی (DEDUCTIVE METHOD)

(ب) استقرائی (INDUCTIVE METHOD)

استخراجی طریقے میں کسی بھی قواعدی پہلو کی تعریف پہلے بتائی جاتی ہے جب کہ مثالیں بعد میں دی جاتی ہیں مثلاً "صنعتِ تکرار" سکھانے کے لیے پہلے اس کی تعریف بتائی جائے گی کہ شعر میں کسی لفظ کا ایک سے زائد بار آنا "صنعتِ تکرار" کہلاتا ہے مثلاً:

پتّا پتّا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

اس طریقے میں طلبہ تعریفیں تو یاد کرلیتے ہیں تاہم تفہیم کا پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔ استقرائی طریقے میں استخراجی طریقے کے برعکس پہلے کسی قواعدی پہلو کی مثالیں دی جاتی ہیں بعد میں تعریف بتائی جاتی ہے مثلاً صنعتِ تضاد سکھانے کے لیے پہلے پڑھیے اور پڑھوائیے:

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھاگئی آسماں کیسے کیسے

پھر اِس شعر میں متضاد الفاظ زمین اور آسمان کی جانب توجہ دلائیے اور بتائیے کہ جب کسی شعر میں ایسے دو الفاظ استعمال کیے گئے ہوں جو معنیٰ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے اُلٹ ہوں تو اِسے "صنعتِ تضاد" کہیں گے۔

فہرست

حصہ نثر

سبق	مضامین	مصنفین	صفحہ نمبر
۱	قومی اتّفاق	سر سیّد احمد خان	۱۰
۲	زبانِ گویا	خواجہ الطاف حسین حالؔی	۱۶
۳	فاقےمیں روزہ	خواجہ حسن نظامی	۲۰
۴	پٹرولیم کی کہانی	آفتاب حسن	۲۶
۵	کچھ ذریعۂ تعلیم کے باب میں	ڈاکٹر ابواللّیث صدیقی	۳۲
۶	سندھی شاعری کے تراجم	ڈاکٹر الیاس عشقی	۳۷
	افسانے		
۷	زیور کا ڈبّا	منشی پریم چند	۴۳
۸	بابا نور	احمد ندیم قاسمی	۵۴
۹	آبِ حیات	غلام ربانی آگرو/ترجمہ: ناہید اختر سومرو	۶۰
	ڈرامے		
۱۰	میدانِ جنگ	آغا حشر کاشمیری	۶۸
۱۱	بیگم کی بلّی	امتیاز علی تاج	۷۴
	سفرنامے		
۱۲	تھر کی نادیہ کماچی	مستنصر حسین تارڑ	۸۵
۱۳	ملکہ بلقیس کا محل	قمر علی عباسی	۹۰
	نثری مزاح		
۱۴	خواہ مخواہ کی لڑائی	شوکت تھانوی	۹۶
۱۵	مجبوریاں	شفیق الرحمٰن	۱۰۱
۱۶	ایک انار و صد بیمار	ابنِ انشا	۱۰۵
	مکتوبات		
۱۷	بہ نام میر مہدی مجروح	مرزا اسداللہ خاں غالبؔ	۱۰۹
۱۸	خان محمد نیازالدین کے نام	ڈاکٹر سر علّامہ محمد اقبالؔ	۱۱۳
۱۹	بہ نام صدیق جاوید	مُشفِق خواجہ	۱۱۶

حصہ نظم

حمد و نعت				
۲۰	حمد		ماہر القادری	۱۱۹
۲۱	نعت		اقبال عظیم	۱۲۲
پابند نظمیں				
۲۲	رہے نام اللہ کا		نظیر اکبر آبادی	۱۲۵
۲۳	داستان تیاری میں باغ کی (مثنوی)		میر حسن	۱۲۸
۲۴	یارب ! چمنِ نظم کو --- (مرثیہ)		میر انیس	۱۳۱
۲۵	چُپ کی داد		خواجہ الطاف حسین حالی	۱۳۴
۲۶	مردِ مسلماں		ڈاکٹر سر علّامہ محمد اقبالؒ	۱۳۷
۲۷	نوائے سروش		احسان دانش	۱۴۰
رباعیات				
۲۸	میر انیس	امجد حیدرآبادی	جوش، صادق دہلوی	۱۴۳
قطعات				
۲۹	تن بہ تقدیر		ڈاکٹر سر علّامہ محمد اقبالؒ	۱۴۶
۳۰	مہک		رئیس امروہوی	۱۴۶
شعری مزاح				
۳۱	سائیڈ اِفیکٹس		انور مسعود	۱۴۸
قومی نغمہ				
۳۲	چاند میری زمیں		ساقی جاوید	۱۵۱
آزاد نظم				
۳۳	استغاثہ		افتخار عارف	۱۵۴
۳۴	مشورہ		پروین شاکر	۱۵۶
غزلیات				
۳۵	غزلیات		خواجہ میر درد	۱۵۷
۳۶	غزلیات		میر تقی میر	۱۶۰
۳۷	غزلیات		خواجہ حیدر علی آتش	۱۶۳
۳۸	غزلیات		مرزا اسد اللہ خاں غالب	۱۶۶
۳۹	غزل		داغ دہلوی	۱۶۸
۴۰	غزل		حسرت موہانی	۱۷۱
۴۱	غزل		منیر نیازی	۱۷۳
۴۲	غزل		احمد فراز	۱۷۴
۴۳	غزل		قابل اجمیری	۱۷۶
۴۴	پیامِ لطیف (وائی)		آفاق صدیقی	۱۷۸
۴۵	فرہنگ			۱۸۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شُروع اَللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سر سیّد احمد خان

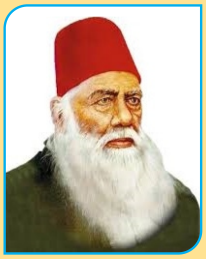

- پیدائش: ۱۷ - اکتوبر ۱۸۱۷ء دہلی
- وفات: ۲۷ - مارچ ۱۸۹۸ء علی گڑھ
- خطابات: خان بہادر، سر
- تصانیف: آثار الصّنادید، سفر نامہ مسافرانِ لندن، تاریخ سرکشی بجنور، اسباب بغاوتِ ہند، خطباتِ احمدیہ

قومی اتّفاق

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) علمی یا ادبی گفتگو سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔ (۲) کسی متن کو سُن کر اپنی جماعت کے معیار کے مطابق مناسب جواب دے سکیں۔ (۳) درسی کتاب کے مطالعے سے اخذ کردہ معلومات اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں بہ صورتِ مضمون تحریر کرسکیں۔ (۴) مختلف قسم کے فارم پُر کرسکیں۔ مثلاً: داخلہ فارم۔

قوم کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنوں پر کسی قدر غور کرنا لازم ہے۔ زمانۂ دراز سے جس کی ابتدا تاریخی زمانے سے بھی بالاتر ہے۔ قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کا باشندہ ہونے سے ہوتا تھا۔

حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ (ترجمہ: حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ) پر اور آپ کے آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت اور سلامتی ہو۔) نے اس تفرقۂ قومی کو جو صرف دنیوی اعتبار سے تھا، مٹا دیا اور ایک روحانی رشتۂ قومی قائم کیا جو ایک حبلُ المتین:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

(ترجمہ: اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اللہ کے رسول ہیں۔)

سے مضبوط تھا۔ تمام قومی سلسلے، تمام قومی رشتے، سب کے سب اس روحانی رشتے کے سامنے نیست و نابود ہوگئے اور ایک نیا روحانی، بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہوگیا۔

اسلام کسی سے نہیں پوچھتا کہ وہ تُرک ہے یا تاجِیک، وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا، وہ چین کا باشندہ ہے یا ماچین کا، وہ پنجاب میں پیدا ہوا ہے یا ہندوستان میں، وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا،

بلکہ جس کسی نے العُروَۃُ الوُثقیٰ(توحید کی مضبوط رسی) کلمۂ توحید کو مُستحکم کیا وہ ایک قوم ہوگیا۔ کیوں کہ خدا نے خود فرمایا ہے:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ"۔ (سُورۃُ الحُجُرات ۔ ۱۰)

(ترجمہ : مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔)

مجھے اس بات کے دیکھنے سے نہایت افسوس ہے کہ ہم سب آپس میں بھائی تو ہیں، مگر مثل برادرانِ یوسف کے ہیں۔ آپس میں دوستی اور محبت، یک دلی اور یک جہتی بہت کم ہے۔ حسد، بُغض و عداوت کا ہر جگہ اثر پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ آپس کی نااتفاقی ہے۔ شیطان، جس نے خدا سے وعدہ کیا کہ وہ:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ (سُورۃُ الاَعْرَاف ۔ ۱۶)

(ترجمہ : میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان کو گُم راہ کرنے کے لیے بیٹھوں گا۔)

ایک مقدّس اور بہ ظاہر نہایت نورانی حیلے سے آپس میں بھائیوں کے، جن کو کہ خدا نے بھائی بنایا ہے، نِفاق ڈالنے میں کام یاب ہوجاتا ہے۔

کون شخص ہے جو اس بات کو نہیں جانتا ہے کہ:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ مُسْلِمٌ۔ مَنِ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا فَهُوَ مُسْلِمٌ وَمَنْ هُوَ مُسْلِمٌ فَهُوَ اَخٌ۔

(ترجمہ : جس شخص نے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا پس وہ مسلمان ہے۔ جو شخص ہمارے قبلے کی طرف رخ (کرنے کا عقیدہ رکھتا) کرتا ہے پس وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ بھائی ہے۔)

امامِ اعظمؒ کا مذہب مشہور ہے:

لَا نُکَفِّرُ اَهْلَ الْقِبْلَةِ۔

(ترجمہ : ہم اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔)

بہ اِیں ہَمَہ فُروعی مسائل میں اختلاف ہونے کے سبب کس کس طرح ہماری قوم نے اس حَبلُ المَتِین کی بندش کو توڑا ہے اور اس رشتۂ اُخوّت کو جسے خود خدا نے قائم کیا تھا، چھوڑا ہے۔

ان نا اتفاقیوں نے ہماری قوم کو نہایت ضعیف اور ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔ جمعیّت کی برکت ہماری قوم سے جاتی رہی ہے۔ قومی ہم دردی اور قومی ترقّی اور قومی اُمور کے سرانجام دینے میں اس نالائق نااتفاقی نے بہت کچھ اثرِ بد پہنچایا ہے۔ پس ہماری قومی ترقی کا سب سے اوّل مرحلہ یہ ہے کہ ہم سب آپس کی محبت سے اس عداوت و نفاق کو یکتائی و یک جہتی سے مُبدّل کریں۔

یکتائی و یک جہتی سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے عقائد کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر قائم ہوجائیں، یہ اَمر تو قانونِ قدرت کے برخلاف ہے جو ہو نہیں سکتا۔ نہ تو پہلے کبھی ہوا اور نہ آیندہ کبھی ہوگا۔

اتّفاق کے قائم رکھنے کی، جس کی ہم کو ضرورت ہے، ایک اور عقلی و نقلی راہ ہے جس کی پیروی قومی اِتّحاد کا ذریعہ ہوسکتی ہے۔ انسان جب اپنی ہستی پر نظر ڈالے گا تو اپنے میں دو حصّے پائے گا۔ ایک حصّہ خدا کا اور

ایک حصّہ اپنے اَبنائے جِنس کا۔ انسان کا دل یا اس کا اِعتِقاد یا مختصر سے الفاظ میں یوں کہو کہ اس کا مذہب خدا کا حصّہ ہے جس میں دوسرا کوئی شریک نہیں۔ اس کے عقائد کی جو کچھ بھلائی یا برائی ہو اس کا معاملہ اس کے خدا کے ساتھ ہے۔ نہ بھائی اس میں شریک ہے، نہ بیٹا، نہ دوست نہ آشنا اور نہ قوم۔ پس ہم کو اس بات سے، جس کا اثر ہر ایک کی صرف ذات تک محدود ہے اور ہم سے کچھ تعلق نہیں ہے، کچھ بھی تعلق رکھنا نہیں چاہیے۔

نہایت افسوس اور نادانی کی بات ہے کہ ہم کسی سے ایسے امر میں عداوت رکھیں جس کا اثر خود اسی تک محدود ہے اور ہم کو اس سے کچھ بھی ضَرر و نقصان نہیں۔ جو حصّہ کہ انسان میں اُس کے اَبنائے جِنس کا ہے اس سے ہم کو غرض رکھنی چاہیے اور وہ حصّہ آپس کی محبت، باہمی دوستی، ایک دوسرے کی اِعانَت، ایک دوسرے کی ہم دردی ہے، جس کے مجموعے کا نام قومی ہم دردی ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادرانہ برتاؤ، قومی اتفاق، قومی ہم دردی قائم ہوسکتی ہے جو قومی ترقی کے لیے پہلی منزل ہے۔

یہ بات ہم کو بھولنی نہیں چاہیے کہ ان روحانی بھائیوں کے سوا اور بھی ہمارے وطنی بھائی ہیں۔ گو وہ ہمارے ساتھ اس کلمے میں، جس نے ہم مختلف قوموں اور مختلف فرقوں کو ایک قوم اور آپس میں روحانی بھائی بنادیا ہے، شریک نہیں ہیں، مگر بہت سے تَمَدُّنی اُمور ہیں جن میں ہم اور وہ مثل بھائیوں کے شریک ہیں۔ ہم سائے کا ادب ہمارے مذہب کا ایک جُزو ہے اور یہی ہم سایگی وسعت پاتے پاتے ہم ملکی اور ہم وطنی کی وُسعت تک پہنچ گئی ہے۔

ان ہم وطن بھائیوں میں بھی دو حصّے ہیں، ایک خدا کا اور ایک ابنائے جنس کا۔ خدا کا حصّہ خدا کے لیے چھوڑو اور جو حصّہ ان میں ابنائے جنس کا ہے اس سے غرض رکھو۔ تمام اُمورِ انسانیت میں، جو تمدّن و مُعاشَرَت سے تعلق رکھتے ہیں ایک دوسرے کے مددگار رہو۔ آپس میں سچّی محبت، سچّی دوستی اور دوستانہ بردباری رکھو۔

اِتّفاق کی خوبیاں لوگوں نے بہت کچھ بیان کی ہیں اور وہ ایسی ظاہر ہیں کہ کوئی شخص اِتّفاق سے بھی ان کو بھول نہیں سکتا۔ بہت بڑے بڑے واقعات دنیا میں گزرے ہیں جن کو پرانی تاریخیں یاد دلاتی ہیں اور جن کی یاد سے ایک عجیب اثر ہمارے دلوں میں ہوتا ہے۔ وہ سب باہمی اتّفاق کا نتیجہ ہے۔ اس وقت تعلیم یافتہ دنیا میں جو کچھ ترقی ہے یا مُہَذَّب ملکوں میں جو کچھ طاقت ہے وہ سب اتّفاق کی بہ دولت ہے۔

بعض قابلِ ادب بزرگوں کا قول ہے کہ جس طرح اصلی دوستی دنیا میں نلپید ہے اسی طرح آپس کا اِتّفاق بھی ناممکن ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تمام انسانوں کی طبائع اور اُن کے اَغراض مختلف ہیں، تو ضرور ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔ ہاں! یہ بات سچ ہے، مگر جس اتّفاق پر ہم بحث کرتے ہیں وہ شخصی اتّفاق نہیں ہے، بلکہ قومی اتّفاق ہے ہمارے آپس میں گو کیسا ہی نفاق ہو، جو خدا کے نزدیک ایک

سخت گناہ ہے، مگر وہ قومی اتحاد اور قومی اتّفاق کا مانع نہیں ہے۔ قومی بھلائی یا قومی برائی کا اثر تمام قوم کے لوگوں پر پہنچتا ہے۔

اس زمانے میں جو سب سے بڑا سبب ہماری قوم کے تنزل کا ہے وہ یہی ہے کہ ہم میں قومی اتفاق کا خیال نَسیاً مَنسیاً ہوگیا ہے۔ کسی کو بہ جُز ذاتی مَنفَعَت کے قومی بھلائی یا قومی مَنفَعَت کا خیال بھی نہیں آتا ہے۔ اگر کوئی کچھ کرتا بھی ہے تو اس کو پہلے اپنی ذاتی غَرَض مدِّنظر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی۔

(ماخوذ از : مقالاتِ سرسیّد جلد پنجم)

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) پرانے زمانے میں لفظ "قوم" سے کیا مراد لی جاتی تھی؟
(۲) اسلام نے تفرقۂ قومی کو مٹاکر کون سا رشتہ قائم کیا ؟
(۳) سرسیّد کے نزدیک قومی ترقی کا اوّلین مرحلہ کیا ہے؟
(۴) یکتائی و یک جہتی سے سرسیّد کی کیا مراد ہے ؟
(۵) مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب کیا ہے؟
(۶) سرسید کے مطابق قومی اتحاد کیسے قائم کیا جاسکتا ہے؟
(۷) قومی ہم دردی کے کیا فائدے ہیں ؟
(۸) شخصی اتّفاق اور قومی اتّفاق میں کیا فرق ہے؟

سوال نمبر۲ : اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۳ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) حبلُ المتین سے مراد ہے:

(الف)مذہب (ب)یک جہتی (ج)رنگ و نسل (د)قومیت

(۲) ہم سائے کا ادب ہمارے مذہب کا ہے:

(الف) جزو (ب) نِصف (ج) کُل (د) مرکز

(۳) قومی ترقی کا بنیادی سبب ہوتا ہے:

(الف) مذہب (ب) تجارت (ج) زراعت (د) اتفّاق

(۴) سرسید کی نظر میں ہماری قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے:

(الف) مال و دولت نے (ب) نااتفّاقی نے (ج) ذاتی مفادات نے (د) بے حِسی نے

(۵) العُروَۃُ الوُثقیٰ سے مُراد ہے :

(الف) اُخُوَّت (ب) اتحاد (ج) تنظیم (د) توحید

سوال نمبر۴ : درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے:

(الف) ہم میں قومی اتفاق کا خیال نَسیاً مَّنسیًّا ہو گیا ہے۔

(ب) جس کسی نے العُروَۃُ الوُثقیٰ کلمۂ توحید کو مستحکم کیا وہ ایک قوم بن گیا۔

(ج) ہم سب آپس کی محبت سے اس عداوت و نِفاق کو یکتائی و یک جہتی سے مُبدّل کریں۔

سوال نمبر۵ : ذیل کے الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

یک جہتی	رشتۂ اخوت	اِعانت	منفعت	اَبنائے جِنس

سوال نمبر۶ : "قومی اتفاق کی ضرورت" کے عنوان پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

سرگرمی

طلبہ پرائمری اسکول کا داخلہ فارم لیں گے اور فرداً فرداً اُسے پُر کر کے اُستاد کو دکھائیں گے۔

مضمون : کسی متعین موضوع پر ضروری معلومات یا اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے مضمون کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دنیا کے ہر معاملے، مسئلے یا موضوع پر مضمون لکھا جاسکتا ہے۔ مضمون کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔
(ا) زیر بحث مسئلے کا تعارف (۲) حمایت یا مخالف میں دلائل (۳) نتیجہ ۔ ہر مضمون کے لیے نظم وضبط، توازن اور تناسب ضروری ہے۔ مضمون میں طرزِ بیان اور زبان کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ الفاظ میں جس قدر قطعیت اور شفافیت ہوگی اسی قدر مُدعا نگاری کا حق ادا ہوگا۔

برائے اساتذہ

- پرائمری اسکول کا داخلہ فارم طلبہ کو فراہم کیجیے اور پُر کرواکر اس کی جانچ کیجیے۔ ضروری ہو تو اُن کی اصلاح بھی کیجیے۔
- نئے الفاظ و تراکیب کا درست تَلَفُّظ اور معنی و تشریح بتائیے۔
- پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے۔ اس کے بعد تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے مؤثر تعمیری بازرسی کیجیے۔

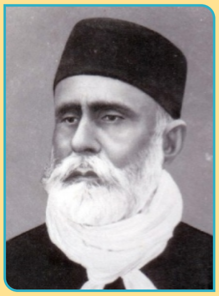

مولانا الطاف حُسین حالؔی

- پیدائش: ۱۸۳۷ء پانی پت
- وفات: ۱۹۱۴ء پانی پت
- تصانیف: مقدمۂ شعر و شاعری، حیاتِ سعدی، یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید، دیوانِ حالؔی اور مُسدّس مدّو جزرِ اسلام۔

زبانِ گویا

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (ا) درسی متن کو سمجھ کر استحسانی سوالات کا جواب تحریر کرسکیں۔ (۲) کسی ادبی، علمی، صحافتی یا سماجی موضوع پر درست لب ولہجے اور تلفظ سے لکھی ہوئی عبارت کی مدد سے دس منٹ تک تقریر کرسکیں ۔ نیز ضرورتاً مناسب اقوال پیش کرسکیں۔

اے میری بلبلِ ہزار داستاں ! اے میری طُوطیِ شیوا بیاں ! اے میری قاصد ! اے میری ترجمان! اے میری وکیل ! اے میری زبان ! سچ بتا تُو کس درخت کی ٹہنی اور کس چمن کا پودا ہے ؟ کہ تیرے ہر پھول کا رنگ جدا اور تیرے ہر پھل میں ایک نیا مزہ ہے۔ کبھی تو ایک ساحرِ فُسوں ساز ہے جس کے سِحر کا رَد نہ جادو کا اُتار۔ کبھی تو ایک اَفعیِ جاں گداز ہے جس کے زہر کی دارُو نہ کاٹے کا مَنتَر۔ تو وہی زبان ہے کہ بچپن میں کبھی اپنے ادھورے بولوں سے غیروں کا جی لُبھاتی تھی اور کبھی اپنی شوخیَوں سے ماں باپ کا دل دُکھاتی ہے۔ تُو وہی زبان ہے کہ جوانی میں کہیں اپنی نرمی سے دلوں کا شکار کرتی تھی اور کہیں اپنی تیزی سے سینوں کو فِگار کرتی تھی۔

اے میری زبان ! دشمن کو دوست بنانا اور دوست کو دشمن کر دکھانا تیرا ایک ادنیٰ کھیل ہے، جس کے تماشے سیکڑوں دیکھے اور ہزاروں دیکھنے باقی ہیں۔ اے میری بنی بات کو بگاڑنے والی اور میرے بگڑے کاموں کو سنوارنے والی ! روتے کو ہنسانا اور ہنستے کو رلانا، روٹھے کو منانا اور بگڑے کو بنانا، نہیں معلوم تونے کہاں سے سیکھا اور کس سے سیکھا ؟ کہیں تیری باتیں بِس کی گانٹھیں ہیں اور کہیں تیرے بول شربت کے گھونٹ ہیں۔ کہیں تُو شہد ہے اور کہیں حَنظَل، کہیں تو زہر ہے اور کہیں تریاق۔ اے زبان ! ہمارے بہت سے آرام اور بہت سی تکلیفیں ، ہمارے سیکڑوں نقصان اور ہزاروں فائدے، ہماری عزّت، ہماری ذلّت، ہماری نیک نامی، ہماری بدنامی، ہمارا سچ، ہمارا جھوٹ، صرف تیری ایک "ہاں" اور ایک "نہیں" پر موقوف ہے۔ ایک تیری اس "ہاں" اور "نہیں" نے کروڑوں کی جانیں بچائیں اور لاکھوں کے سر کٹوائے۔

اے زبان ! تو دیکھنے میں تو ایک پارۂ گوشت کے سوا کچھ نہیں، مگر تیری طاقت نمونۂ قدرتِ الٰہی

ہے۔ دیکھ ! اس وقت کو رایگاں نہ کھو اور اس قدرت کو خاک میں نہ مِلا۔ راستی تیرا جوہر ہے اور آزادی تیرا زیور۔ دیکھ اس جوہر کو برباد نہ کر اور اس زیور کو زنگ نہ لگا۔ تو دل کی امین ہے اور روح کی ایلچی۔ دیکھ دل کی امانت میں خیانت نہ کر اور روح کے پیغام پر حاشیے نہ چڑھا۔

اے زبان ! تیرا مَنصَب بہت عالی ہے اور تیری خدمت نہایت ممتاز۔ کہیں تیرا خطاب کاشفِ اَسرار ہے اور کہیں تیرا لقب محرمِ راز۔ علم ایک خزانۂ غیبی اور دل اس کا خزانچی، حوصلہ اُس کا قُفل ہے اور تو اُس کی کُنجی۔ دیکھ اس قفل کو بے اجازت نہ کھول اور اس خزانے کو بے موقع نہ اُٹھا۔ وعظ و نصیحت تیرا فرض ہے اور تلقین و اِرشاد تیرا کام۔ ناصِحِ مُشفِق تیری صِفَت ہے اور مُرشِدِ برحق تیرا نام۔ خبردار ! اس نام کو عیب نہ لگانا اور اس فرض سے جی نہ چرانا، ورنہ یہ منصبِ عالی تجھ سے چِھن جائے گا۔ کیا تجھ کو یہ امید ہے کہ تو جھوٹ بھی بولے اور طوفان بھی اُٹھائے ، تو غیبت بھی کرے اور تُہمت بھی لگائے، تو فریب بھی کرے اور چُغلیاں بھی کھائے، اور پھر وہی زبان کی زبان کہلائے۔ نہیں ہر گز نہیں۔ اگر تو سچی زبان ہے تو زبان ہے ورنہ زبوں بلکہ سراسر زیان ہے۔ اگر تیرا قول صادق ہے تو شہدِ فائق ہے ورنہ تھوک دینے کے لائق ہے۔ اگر تو راست گفتار ہے تو ہمارے منھ میں اور دوسروں کے دلوں میں جگہ پائے گی، ورنہ گُدّی سے کھینچ کر نکالی جائے گی۔

اے زبان ! جنھوں نے تیرا کہنا مانا اور جو تیرا حکم بجالائے، انھوں نے سخت الزام اٹھائے اور بہت پچھتائے۔ کسی نے انھیں فریبی اور مکّار کہا ، کسی نے گستاخ اور منھ پھٹ اُن کا نام رکھا۔ کسی نے ریاکار ٹھیرایا اور کسی نے سُخَن ساز۔ کسی نے بدعہد بتایا اور کسی نے غمّاز، غیبت اور بُہتان ، مکر و اِفترا، طعن اور تشنیع، گالی اور دُشنام، پھکّڑ اور ضلع جُگت اور پھبتی، غرض دنیا بھر کے عیب اُن میں نکلے اور وہ اُن سب کے سزاوار ٹھیرے۔ اے زبان ! یاد رکھ ۔ ہم تیرا کہنا نہ مانیں گے اور تیرے قابو میں ہر گز نہ آئیں گے۔ ہم تیری ڈور ڈھیلی نہ چھوڑیں گے اور تجھے مُطلَقُ العنان نہ بنائیں گے۔ ہم جان پر کھیلیں گے پر تجھ سے جھوٹ نہ بلوائیں گے۔ ہم سر کے بدلے کان نہ کٹوائیں گے۔

اے زبان ! ہم دیکھتے ہیں کہ گھوڑا جب اپنے آقا کو دیکھ کر محبت کے جوش میں آتا ہے تو بے اِختیار ہِنہِناتا ہے، اور کتّا جب پیار کے مارے بے تاب ہوجاتا ہے، تو اپنے مالک کے سامنے دُم ہلاتا ہے۔ وہ نام کے جان ور اور اُن کا ظاہر و باطن یکساں۔ ہم نام کے آدمی مگر ہمارے دل میں "نہیں" اور زبان پر "ہاں"۔ الٰہی ! اگر ہم کو رُخصتِ گفتار ہے تو زبانِ راست گفتار دے، اور اگر دل پر تجھ کو اِختیار ہے تو زبان پر ہم کو اِختیار دے۔ ہم جب تک دنیا میں رہیں، سچّے کہلائیں اور جب تیرے دربار میں آئیں تو سچّے بن کر آئیں۔ آمین۔

(ماخوذ از : کلیاتِ نثر حالی – جلد اوّل)

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اس مضمون کے آغاز میں زبان کے لیے کون کون سے الفاظ و تراکیب استعمال ہوئے ہیں ؟
(ب) بچپن میں زبان کا کیا کردار بیان کیا گیا ہے؟
(ج) کن باتوں سے زبان کی خصوصیات کو نقصان پہنچتا ہے؟
(د) حالی نے زبان کی طاقت کو نمونۂ قدرت الٰہی کیوں کہا ہے؟
(ہ) زبان کو منصب اور خدمت کے لحاظ سے کن صفات کا حامل قرار دیا گیا ہے؟
(و) زبان کے بہتر استعمال کے حوالے سے مُصَنِّف نے کیا دُعا کی ہے؟

سوال نمبر۲ : اس سبق کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۳ : درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالۂ متن کیجیے:

(الف) ”دشمن کو دوست بنانا اور دوست کو دشمن کر دکھانا تیرا ایک ادنیٰ کھیل ہے، جس کے تماشے سیکڑوں دیکھے اور ہزاروں دیکھنے باقی ہیں“۔
(ب) ”علم ایک خزانۂ غیبی اور دل اُس کا خزانچی، حوصلہ اُس کا قفل ہے اور تُو اُس کی کُنجی۔ دیکھ اس قفل کو بے اجازت نہ کھول اور اس خزانے کو بے موقع نہ اُٹھا“۔
(ج) ”اے زبان! تو دیکھنے میں ایک پارۂ گوشت کے سوا کچھ نہیں مگر تیری طاقت نمونۂ قدرتِ الٰہی ہے“۔

سوال نمبر۴ : درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

محرمِ راز	سخن ساز	مُطلَقُ العِنَان	راست گُفتار
جوہر	تِریاق	حَنظَل	منصبِ عالی

سوال نمبر۵: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) زبان کے ہر پھول کا رنگ ہے :
(الف)نرالا (ب)جدا (ج)علیحدہ (د)مختلف

(۲) اے زبان تیری طاقت نمونہ ہے:
(الف)اللہ کی طاقت کا (ب)قدرتِ الٰہی کا
(ج)اللہ کی رحمت کا (د)قدرتِ آسمانی کا

(۳) علم ایک خزانہ ہے:
(الف)غیبی (ب)پوشیدہ (ج)چھپا ہوا (د)دبا ہوا

(۴) زبان کا جوہر ہے:

(الف)نصیحت (ب)راستی (ج)وعظ (د)گفتگو

(۵) ہم جب تک دنیا میں رہیں کہلائیں:

(الف)اچھے (ب)سچّے (ج)نیک (د)سیدھے

سرگرمیاں

- طلبہ گروپ کی صورت میں لغت کی مدد سے نئے الفاظ کی فرہنگ بنائیں گے۔
- نکات کی صورت میں زبان کی خصوصیات اخذ کر کے نوٹ تیار کریں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو نئے الفاظ و تراکیب کا درست تلفظ اور معنی و تشریح بتائیے۔
- طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے اور ضروری ہو تو ان کی اصلاح کیجیے۔

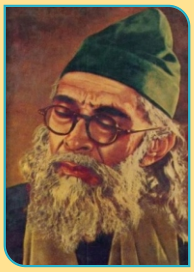

خواجہ حسن نظامی (سیّد علی حسن)

- پیدائش: ۱۸۶۳ء دہلی
- وفات: جولائی ۱۹۵۵ء دہلی
- تصانیف: بیگمات کے آنسو، غدرِ دہلی کے افسانے، سی پارۂ دل

فاقے میں روزہ
(دہلوی تاج دار کے ایک کنبے کا فسانہ)

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) ادبی مطالعے کو روزمرہ زندگی سے ہم آہنگ کرسکیں۔ (۲)جماعت کے لیکچروں کو سمجھ کر اُن کے چیدہ چیدہ نکات ڈائری میں نوٹ کرسکیں۔ (۳) اسکول یا اس سے باہر کسی اخبار، رسالے اور ویب سائٹ وغیرہ میں اپنے پسندیدہ اسلوب میں تحریر پیش کرسکیں۔

جب دہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کہلانے کا حق رکھتی تھی، لال قلعے پر تیموریوں کا آخری نشان لہرارہا تھا۔ اِنھی دنوں کا ذکر ہے کہ مرزا سلیم بہادر (جو ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے اور غدر سے پہلے ایک اتّفاقی قصور کے سبب قید ہوکر الٰہ آباد چلے گئے تھے) اپنے مردانہ مکان میں بیٹھے ہوئے دوستوں سے بے تکلّفانہ باتیں کررہے تھے کہ اتنے میں زنان خانے سے ایک لونڈی باہر آئی اور ادب سے عرض کیا کہ ”حضور ! بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں“۔ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر میں مغموم واپس آئے۔ ایک بے تکلّف ندیم نے عرض کیا: خیر باشد! مزاجِ عالی مکدّر پاتا ہوں۔ مرزا نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”نہیں کچھ نہیں، بعض اوقات امّاں حضرت خواہ مخواہ ناراض ہوجاتی ہیں۔ کل شام کو افطاری کے وقت تنّھن خان گوّیا گا رہا تھا اور میرا دل بہلارہا تھا۔ اس وقت امّاں حضرت قرآن شریف پڑھا کرتی ہیں، ان کو یہ شور و غل ناگوارمعلوم ہوا۔ آج ارشاد ہوا ہے کہ رمضان رمضان گانے بجانے کی محفلیں بند کردی جائیں۔ بھلا میں اس تفریحی عادت کو کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں۔ ادب کے لحاظ سے قبول تو کرلیا، مگر اس کی پابندی سے جی الجھتا ہے۔ حیران ہوں کہ یہ سولہ دن کیوں کر بسر ہوں گے“۔

مصاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: حضور یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے ! شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد میں تشریف لے چلا کیجیے، عجب بہار ہوتی ہے۔ رنگ بہ رنگ کے آدمی، طرح طرح کے جمگھٹے دیکھنے میں آئیں گے۔ خدا کے دن ہیں ، خدا والوں کی بہار بھی دیکھیے۔

مرزا نے اس صلاح کو پسند کیا اور دوسرے دن مصاحبوں کو لے کر جامع مسجد پہنچے۔ وہاں جاکر عجب عالَم دیکھا۔ جگہ جگہ لوگ حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ کہیں قرآن شریف کے دَور ہورہے ہیں۔ رات کے قرآن سنانے والے حُفّاظ ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہیں۔ کہیں مسائل دین پر گفتگو ہو رہی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلے پر بحث کرتے ہیں اور بیسیوں آدمی گرد میں بیٹھے مزے سے سُن رہے ہیں۔ کسی جگہ توجّہ اور مراقبے کا حلقہ ہے۔ کہیں کوئی صاحب وظائف میں مشغول ہیں۔ الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔

"کُلُّ جدیدٌ لَذِیذُ" مرزا کو یہ نظارہ بہت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا۔ سیکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مُکلّف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے تاکہ روزے داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعے کی تمام بیگمات اور شہر کے سب اُمَرا علیحٰدہ اِفطاری کے سامان بھیجتے تھے اس لیے اُن خوانوں کی گنتی سیکڑوں تک پہنچ جاتی تھی۔ چوں کہ ہر امیر کوشش کرتا تھا کہ اس کا سامانِ اِفطاری دوسروں سے بڑھ کر رہے، اس لیے ریشمی رنگ بہ رنگ کے خوان پوش اور ان پر مُقَیَّشی جھالریں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی تھیں اور مسجد میں ان کی عجب آرایش ہوجاتی تھی۔

مرزا کے دل پر اس دینی چرچے اور شان و شوکت نے بڑا اثر ڈالا اور اب وہ برابر روزانہ مسجد میں آنے لگے۔ گھر میں وہ دیکھتے کہ سیکڑوں فُقَرا کو سحری اور اوّل شب کا کھانا روزانہ شہر کی خانقاہوں اور مسجدوں میں بھجوایا جاتا تھا اور باوجود رات دن کے لَہو ولَعَب کے یہ دن اُن کے گھر میں بڑی برکت اور چہل پہل کے معلوم ہوتے تھے۔

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نو عمری کے سبب اکثر اپنے ماموں کی صحبت میں بے تکلّف شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیروزبر ہوگئی۔قلعہ برباد کردیا گیا۔امیروں کو پھانسیاں مل گئیں، ان کے گھر کھد گئے۔ ان کی بیگمات ماما گیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہوگئی۔

مرزا شہ زور کی باتوں میں بڑا درد اور اثر تھا۔ ایک دن میں نے ان سے غدر کا قصّہ اور تباہی کا فسانہ سننا چاہا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اس کے بیان کرنے میں عذر و مجبوری ظاہر کرنے لگے۔ لیکن جب میں نے زیادہ اِصرار کیا تو اپنی درد ناک کہانی اس طرح سنائی :

جب انگریزی توپوں نے، کرچوں اور سنگینوں نے،حکیمانہ توڑ جوڑنے، ہمارے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ تاج سر سے اتار لیا۔ تخت پر قبضہ کرلیا۔ شہر میں آتش ناک گولوں کا مینہ برس چکا۔ سات پردوں میں رہنے والیاں بے چادر ہوکر بازار میں اپنے وارثوں کی تڑپتی لاشوں کو دیکھنے نکل آئیں۔ چھوٹے بن باپ کے بچے ابّا ابّا پُکارتے ہوئے بے یارومددگار پھرنے لگے۔ حضور ظلِّ سُبحانی، جن پر ہم سب کا سہارا تھا، قلعہ

چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ اس وقت میں نے بھی اپنی بوڑھی والدہ، کم سن بہن اور بیوی کو ساتھ لے کر اور اجڑے قافلے کا سالار بن کر گھر سے کُوچ کیا۔

ہم لوگ دو رتھوں میں سوار تھے۔ سیدھے غازی آباد کا رخ کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ راستہ انگریزی لشکر کی جولان گاہ بنا ہوا ہے اس لیے شاہ درہ سے واپس ہوکر قطب صاحب چلے اور وہاں پہنچ کر رات کو آرام کیا۔ اس کے بعد صبح آگے روانہ ہوئے۔ چھتر پور کے قریب گوجروں نے حملہ کیا اور سب سامان لُوٹ لیا، مگر اتنی مہربانی کی کہ ہم کو زندہ چھوڑ دیا۔ وہ لق و دق جنگل، تین عورتوں کا ساتھ اور عورتیں بھی کیسی، ایک بڑھاپے سے لاچار، دو قدم چلنا دُشوار، دوسری بیمار، تیسری دس برس کی معصوم لڑکی زار و نزار۔ عورتیں روتی تھیں اور بیان کر کرکے روتی تھیں۔ میرا کلیجا ان کے بیان سے پھٹا جاتا تھا۔ والدہ کہتی تھیں الٰہی ہم کہاں جائیں، کس کا سہارا ڈھونڈیں، ہمارا تاج و تخت لٹ گیا، ٹُوٹا بوریا اور امن کی جگہ تو دے، اس بیمار کو، کہاں لے کر بیٹھوں، اس معصوم بچی کو کس کے حوالے کروں، جنگل کے درخت بھی ہمارے دشمن ہیں، کہیں سایہ نظر نہیں آتا۔ بہن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ہم سب کا مُنھ دیکھتی تھی۔ مجھ کو اس کی معصومانہ بے کسی پر بڑا ترس آتا تھا۔ آخر مجبوراً میں نے عورتوں کو دلاسا دیا اور آگے چلنے کی ہمت بندھائی۔ گاؤں سامنے نظر آتا تھا۔ غریب عورتوں نے چلنا شروع کیا۔ والدہ صاحبہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی تھیں اور سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں اور جب وہ یہ کہتیں:

"تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاج وروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کردیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔ ہم چنگیز کی نسل ہیں جس کی تلوار سے زمین کانپتی تھی۔ ہم تیمور کی اولاد ہیں جو ملکوں کا اور شہریاروں کا شاہ تھا۔ ہم شاہ جہاں کے گھر والے ہیں جس نے ایک قبر پر جواہر نگار بہار دکھادی اور دنیا میں بے نظیر مسجد دہلی کے اندر بنادی۔ ہم ہندوستان کے شہنشاہ کے کنبے میں سے ہیں۔ ہم عزت والے تھے زمین میں ہمیں کیوں ٹھکانا نہیں مِلتا، وہ کیوں سر کشی کرتی ہے۔ آج ہم پر مصیبت ہے، آج ہم پر آسمان روتا ہے۔"

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ بھادوں کا مہینا آیا اور گاؤں میں سب کو بخار آنے لگا، میری اہلیہ اور بہن کو بھی بخار نے آن دبایا۔ وہ گاؤں، وہاں دواؤں اور حکیم کا کیا ذکر۔ خود لوٹ پِیٹ کر اچھے ہوجاتے ہیں مگر ہم کو دواؤں کی عادت تھی، سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ اسی حالت میں ایک دن زور کی بارش ہوئی کہ جنگل کا نالا چڑھ آیا اور گاؤں میں کمر کمر پانی ہوگیا۔ گاؤں والے تو اس کے عادی تھے لیکن ہماری حالت اس طوفان کے سبب مرنے سے بدتر ہوگئی۔ چوں کہ پانی ایک دفعہ ہی رات کے وقت گھس آیا تھا اس لیے ہماری عورتوں کی چارپائیاں بالکل غرقاب ہوگئیں۔ آخر بڑی مشکل سے چھپّر کی بلّیوں میں دو چارپائیاں اڑا کر عورتوں کو ان پر بٹھایا۔ پانی گھنٹے بھر میں اتر گیا مگر غضب یہ ہوا کہ کھانے کا اناج اور اوڑھنے بچھانے کے کپڑے تر کر گیا۔

اب ہم کو کھانے کی فکر ہوئی۔ گاؤں والوں سے بھی مانگتے ہوئے لحاظ آتا تھا۔ وہ بھی ہماری طرح

مصیبت میں گرفتار تھے۔ تاہم بے چارے گاؤں کے چودھری کو خود ہی خیال آیا اور اس نے قطب صاحب سے ایک رُپے کا آٹا منگوادیا۔ وہ آٹا نصف کے قریب خرچ ہوا ہوگا کہ رمضان شریف کا چاند نظر آیا۔ والدہ صاحبہ کا دل بہت نازک تھا، وہ ہر وقت گزشتہ زمانے کو یاد کیا کرتی تھیں۔ رمضان کا چاند دیکھ کر انھوں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور چپ ہوگئیں۔ میں سمجھ گیا کہ ان کو پچھلا زمانہ یاد آرہاہے۔تسلّی کی باتیں کرنے لگا جس سے ان کو کچھ ڈھارَس ہوئی۔ چار پانچ دن تو آرام سے گزر گئے، مگر جب آٹا ختم ہوچکا تو بڑی مشکل در پیش ہوئی۔ سوال کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی۔ شام کو پانی سے روزہ کھولا، بھوک کے مارے کلیجا منھ کو آتا تھا۔ والدہ صاحبہ کی عادت تھی کہ اس قسم کی تکلیف کے وقت بیان کرکے رویا کرتی تھیں مگر آج بڑے اطمینان سے خاموش تھیں۔ ان کی خاموشی و اطمینان سے میرے دل کو بھی سہارا ہوا اور چھوٹی بہن کو جس کے چہرے پر بھوک کے مارے ہوائیاں اڑ رہی تھیں، دلاسا دینے لگا۔ وہ معصوم بھی میرے سمجھانے سے نڈھال ہو کر چارپائی پر جاپڑی اور تھوڑی دیر میں سوگئی۔ بھوک میں نیند کہاں آتی ہے بس ایک غوطہ سا تھا۔اس غوطے اور ناتوانی کی حالت میں سَحَری کا وقت آگیا۔ والدہ صاحبہ اُٹھیں اور تہجُّد کی نماز کے بعد جن درد ناک الفاظ میں انھوں نے دعا مانگی ان کا نقل کرنا محال ہے۔ حاصلِ مطلب یہ ہے کہ انھوں نے بار گاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ

"ہم نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہمارے گھر میں سیکڑوں محتاجوں کو کھانا ملتا تھا اور آج ہم خود دانے دانے کو محتاج ہیں اور روزے پر روزہ رکھتے ہیں۔ خداوند! اگر ہم سے قصور ہوا ہے تو اس معصوم بچّی نے کیا خطا کی ہے جس کے مُنھ میں کل سے ایک کِھیل اُڑ کر نہیں گئی"۔

دوسرا دن بھی یوں ہی گزر گیا اور فاقے میں روزے پر روزہ رکھا۔ شام کے وقت چودھری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا: "آج ہمارے نیاز تھی، یہ اس کا کھانا ہے اور پانچ رُپے زکوٰۃ کے ہیں۔ ہر سال بکریوں کی زکوٰۃ میں بکری دیا کرتے تھے مگر اب کے نقد دے دیا ہے"۔

یہ کھانا اور رُپے مجھ کو ایسی نعمت معلوم ہوئی گویا بادشاہت مل گئی۔ خوشی خوشی والدہ کے آگے سارا قصّہ کہا۔ کہتا جاتا تھا اور خدا کا شکرانہ بھیجتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ والدہ کا رنگ مُتَغَیَّر ہوگیا۔ باوجود فاقے کی ناتوانی کے انھوں نے تیور بدل کر کہا: "تُف ہو تیری غیرت پر، خیرات اور زکوٰۃ لے کر آیا ہےاور خوش ہوتا ہے۔ ارے اس سے مرجانا بہتر تھا۔ اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مرجانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے، صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں"۔

والدہ کی ان باتوں سے مجھے پسینا آگیا اور شرم کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ چاہا کہ اٹھ کر یہ چیزیں واپس کر آؤں مگر والدہ نے روکا اور کہا: "خدا ہی کو یہ منظور ہے تو ہم کیا کریں سب کچھ

سہنا ہوگا"۔ یہ کہہ کر کھانا رکھ لیا اور روزہ کھولنے کے بعد ہم سب نے مل کر کھالیا۔ پانچ رُپے کا آٹا منگوالیا جس سے رمضان خیر و خوبی سے گُزر گیا۔

اس کے بعد چھے مہینے گاؤں میں رہے اور پھر دہلی چلے آئے۔یہاں آکر والدہ کا انتقال ہوگیا اور بہن کی شادی کردی۔ انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ رُپے ماہ وار پنشن مقرر کردی ہے، جس پر آج کل زندگی کا اِنحِصار ہے۔

(ماخوذ از "بیگمات کے آنسو")

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) تنّھن خان کے گانے سے اُکتا کر ابّاں حضرت نے کیا حکم صادر فرمایا؟

(ب) مصاحب نے مرزا صاحب کو کیا مشورہ دیا ؟

(ج) "کُلُّ جدیدٌ لَذِیذٌ" سے کیا مراد ہے ؟

(د) رمضان میں افطاری کے وقت مسجد میں کیا سماں تھا ؟

(ہ) مرزا صاحب کو کیا بات اچھی لگی کہ وہ باقاعدہ مسجد آنے لگے؟

(و) غدر کی تباہی کے شاہی خاندان پر اثرات بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۲: درج ذیل الفاظ و محاورات کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

زنان خانہ	مغموم	عجب بہار ہونا	مکلّف
زیر و زبر ہونا	ماما گیری	دلاسا دینا	مکدّر

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) ہندوستان کا دل کہلاتی تھی:

(الف)بادشاہی (ب)دلی (ج)مسجد (د)رنگینی

(۲) ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے:

(الف)ندیم (ب)مرزا صاحب (ج)مرزا سلیم بہادر (د)مرزا شہ زور

(۳) "لہو و لعب" کا مطلب ہے:

(الف)کھیل کود (ب)فضول خرچ (ج)مزے دار کھانے (د)شان و شوکت

(۴) "رنگ متغیر ہونا" ہے:

(الف)روزمرّہ (ب)محاورہ (ج)ضرب المثل (د)کہاوت

(۵) انگریزی سرکار نے ماہ وار پنشن مقرر کردی:

(الف)چار روپے (ب)پانچ روپے (ج)دس روپے (د)پندرہ روپے

سوال نمبر۴ : درج ذیل اقتباسات کی وضاحت کیجیے:

(الف) "تقدیر ان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاج وروں کے ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کردیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔"

(ب) "اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی۔ میدان میں نکل کر مرجانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں۔"

سوال نمبر۵ : سبق کے کوئی پانچ محاورے اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ اس سبق کے محاوروں اور روز مرّوں کو الگ الگ کرکے ڈائری میں لکھیں گے۔
- طلبہ اس سبق کی خاص خاص باتیں پڑھ کر اپنی اپنی ڈائری میں تحریر کریں گے۔
- طلبہ اِس طرح کی کوئی کہانی وضع کرکے اپنے اپنے انداز میں لکھیں گے اور کسی اخبار یا رسالے کے مدیر کو اشاعت کے لیے بھجوائیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو "روز مرّہ" اور "محاورہ" کا فرق سمجھائیے۔
- پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے۔ اس کے بعد تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے مؤثرِ بازرسی فراہم کیجیے۔

آفتاب حسن

- **پیدائش:** ۱۶ - ستمبر ۱۹۰۹ء بِہار (ہندوستان)
- **وفات:** ۲۶ - فروری ۱۹۹۳ء کراچی
- **تصنیف:** سائنس ہمارے لیے

پٹرولِیم کی کہانی

حاصلاتِ تعلُّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) گفتگو یا عبارت سُن کر درست تفہیم کرسکیں اور استحسان کرسکیں۔ (۲) کسی بھی درسی عبارت کو مناسب رفتارِمطالعہ سے پڑھ سکیں۔ (۳) مضمون لکھتے ہوئے متعلقہ/ضروری نکات پر اپنی رائے پیش کرسکیں۔ (۴) ادب پڑھ کر تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرسکیں۔ مطبوعہ وغیر مطبوعہ مواد پڑھ کر سمجھ سکیں۔

ہماری زمین اَن مول خزانوں سے بھری پڑی ہے اور ان خزانوں سے جو دولت نکلتی ہے اس میں پٹرولیم ایسی شے ہے جس کا بدل ملنا مشکل ہے۔ جدید دنیا دراصل مشین کی دنیا ہے۔ مشین کے لیے اس وقت تین اہم ذریعے ہیں، بجلی، کوئلہ اور پٹرول۔ بجلی ایک جگہ قائم رہنے والی مشینوں کے لیے بہت موزوں ہے۔ حمل و نقل کی مشینوں میں بھی بجلی استعمال ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لیے تار کی ضرورت ہے۔ یہ لازمی ہے کہ مشینوں کا تعلق تار کے ذریعے بجلی کے کارخانوں سے رہے۔ سرِدَست یہ ممکن نہیں ہے کہ بجلی کی بڑی مقدار کو جمع کرکے رکھا جائے اور اس سے موٹر اور ہوائی جہاز چلائے جائیں۔ کوئلہ عام طور پر کارخانوں، جہازوں اور ریلوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس میں مصیبت یہ ہے کہ قوت کی مُناسَبَت سے اس میں وزن زیادہ ہوتا ہے۔ تیز رو اور ہلکی مشینوں میں یہ کام نہیں دے سکتا۔ اب رہ گیا پٹرول، یہی وہ صاف ستھری جلد بھڑک اٹھنے والی چیز ہے جو مشینوں کے جسم میں خون کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کی تیز ترین مشینیں اس سے چلتی ہیں۔ ہوائی جہاز، موٹریں اور طرح طرح کی گاڑیاں اس کے بل پر طول طویل فاصلے پل بھر میں طے کرلیتی ہیں۔ خشکی، تری اور ہوا میں جب کسی مشین کو آپ حرکت کرتے ہوئے دیکھیں تو یقین کیجیے کہ اس میں پٹرولیم کسی نہ کسی صورت میں استعمال ہو رہا ہے۔

پرانے لوگ پٹرولیم سے واقف تھے

پٹرولیم کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔ پرانے لوگ اس سے واقف تھے۔ اِنجیل میں اس کا ذکر موجود

ہے۔ قدیم مُوَرِّخ، ہیروڈوٹس، بابل کے قریب ایک تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے۔یہی مورخ بیان کرتا ہے کہ جزیرۂ زانٹے میں بھی ایک تیل کا چشمہ ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ دو ہزار سال گزر گئے لیکن زانٹے میں اب بھی تیل کا چشمہ موجود ہے۔

بلیاناس (پلینی) نے صقلیہ میں معدنی تیل کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ پرانی جاپانی اور چینی کتابوں میں بھی جگہ جگہ معدنی تیل کا بیان ہے، مشہور سیّاح مارکوپولو اپنے سفر نامے میں باکو کے قریب تیل کے چشموں کا بڑی تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ صرف ایک چشمے سے تیل اس قدر نکلتا ہے کہ اس سے سو جہازوں کو بھرا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مارکوپولو یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ تیل کھانے کے لائق نہیں اس کو صرف جلانے کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

پرانے لوگ تیل کو جلانے کے علاوہ دوا کے کام میں لایا کرتے تھے۔یہ زخموں کو اچھا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ پٹرولیم سے جب تمام آسانی سے بُخارات میں تبدیل ہوجانے والے اجزا نکل جاتے ہیں تو ایک گاڑھی شے بن جاتی ہےاس کو قیر (بِچ) کہتے ہیں۔ اس کو قدیم زمانہ میں کشتیوں کو پانی کے اثر سے محفوظ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

چینی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بہت پہلے زمین کھود کھود کر تیل نکالا کرتے تھے۔ برما میں اراودی ندی کے کنارے جو چشمے ہیں بہت قدیم ہیں۔ آج بھی زبردست برموں سے کھودے ہوئے کنوؤں اور جدید آلات سے مُزَیَّن کارخانوں کے بازو میں ہاتھ سے کھودے ہوئے تیل کے کنوئیں موجود ہیں۔ جن سے برمی لوگ تیل نکالا کرتے ہیں۔

زمین کے اندر تیل کیسے بنا ؟

کیمیاوی نقطۂ نگاہ سے پٹرولیم ایک بہت سادہ سی ہے۔ یہ صرف دو عناصر کاربن اور ہائیڈروجن سے مل کر بنا ہے۔ ہائیڈروجن اور کاربن کے مُرَکّب کو کیمیا کی زبان میں ہائیڈرو کاربن کہتے ہیں۔ پٹرولیم مختلف قسم کے ہائیڈرو کاربن کا ایک آمیزہ ہے۔ اس سوال کا کہ زمین کے اندر یہ ہائیڈرو کاربن کہاں سے آگئے، قطعی جواب دینا مشکل ہے۔ ناظرین کو تعجب ہوگا کہ گو پٹرولیم کی صنعت اس قدر اہم ہے، کہ دنیا کی اکثر مشینوں میں اس کی ضرورت کسی نہ کسی شکل میں پیش آتی ہے، اور اس کو دریافت ہوئے کافی عرصہ ہوچکاہے،لیکن لوگوں کو ابھی تک قطعی طور پر نہیں معلوم کہ یہ چیز کس طرح وجود میں آئی۔

یہ جو سنگِ مرمر، ریت پتّھر، چونا پتّھر، شَیل اور دوسرے قسم کے تہہ بہ تہہ جمے ہوئے پتّھر ہمیں زمین کے اندر نظر آتے ہیں ان کو رسوبی چٹانیں کہا جاتا ہے۔ یہ چٹانیں اب تو خشکی میں ہیں لیکن دراصل یہ سمندر کی تہہ میں لاکھوں سال کے عمل سے تیار ہوئی ہیں۔ آج سے کروڑوں سال پہلے زمین کی حالت مختلف تھی۔ آج جہاں خشکی ہے، لوگ رستے بستے ہیں۔ وہاں سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ اور جہاں سمندر پھیلا ہوا

ہے وہاں گھنے جنگل اور پہاڑ اپنے زمانے کے جان وروں سے بھرے ہوئے تھے۔

بارش کے سبب نالے، ندیاں، دریا خشکی سے ریت اور مٹی کی بڑی بڑی مقداریں سمندر میں بہا کر لاتے رہتے ہیں۔ یہ مٹی سمندر کی تہہ میں آہستہ آہستہ بیٹھتی جاتی ہے اور پانی کے بہاؤ اور مدّو جزر کے سبب سمندر کی تہہ میں یکساں طور پر پھیل جاتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس مٹّی کی تہہ پر اوپر سے اور مٹی آجاتی ہے۔ اس طرح یہ تہہ موٹی ہوتی رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیچے کی تہیں دب کر پتلی ہوتی جاتی ہیں اور ان میں سختی پیدا ہوجاتی ہے اور پتھر کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔

زمین گو دیکھنے میں ٹھوس قسم کی چیز معلوم ہوتی ہے لیکن اس کو اندر اور باہر کہیں بھی قرار نہیں ہے۔ اس کے اندرونی مادّے میں ہَل چل سی مچی رہتی ہے۔ کبھی اس کی سطح دبی رہتی ہے کبھی اٹھ جاتی ہے۔ اِن سطحی حرکات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی سمندر کی سطح بلند ہوکر خشک زمین کو غرق کرکے سمندر بنا دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج ہم خشک زمین پر کبھی سطح کے اوپر اور کبھی سطح کے نیچے پتّھروں کی تہہ پر یہ جمی ہوئی چٹانیں دیکھتے ہیں۔

کن جگہوں میں تیل پایا جاتا ہے ؟

اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ خطۂ زمین پر کون کون سی ایسی جگہیں ہیں جہاں تیل پایا جاسکتا ہے اور کہاں اس کے موجود ہونے کے اِمکان نہیں ہے ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ زمین کے ہر حصے میں پٹرول پائے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے، اور اگر کسی حصے میں پٹرول کسی زمانے میں تیار ہوا ہو بھی تو اس کا موجود رہنا کوئی ضروری نہیں ہے، کیوں کہ جب تک اس کے جمع رہنے اور محفوظ رکھنے کا کوئی سامان نہ ہو تیل کا ضایع ہوجانا یقینی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تیل کے پائے جانے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس جگہ مَسام دار چٹانیں موجود ہوں، جن میں تیل جمع رہے۔ دوسری ضروری چیز ایک غیر مسام دار چٹان ہے جو مسام دار کے اوپر ہو اور تیل کو محفوظ رکھ سکے۔ اکثر تیل کی سطح کے نیچے سے پانی بڑے دباؤ کے تحت اوپر اٹھنا شروع ہوتا ہے۔ اور تیل کو اپنے آگے دھکیلتا جاتا ہے۔ اگر غیر مسام دار چٹان اس کے اوپر موجود نہ ہو تو تیل اوپر اٹھتے اٹھتے سطحِ زمین پر آجائے گا اور ضایع ہوجائے گا۔ تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ زمین کی اندرونی بناوٹ ایسی ہونی چاہیے کہ تیل دور دور سے سِمَٹ کرایک جگہ جمع ہوجائے۔ ایسا نہ ہو تو تیل کا حاصل کرنا ناممکن ہوجائے۔ اگر تیل موجود ہو لیکن سیکڑوں میل میں پھیلا رہے تو اس کا نکالنا اور حاصل کرنا ناممکن ہوجائے۔ چوتھی اور سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ایسا ماخذ ہونا چاہیے جس سے تیل نکل سکے۔ کیوں کہ جب تک کوئی خِطّہ ایسا نہ ہو جس میں کسی زمانے میں تیل تیار ہوا ہو جس سے تیل نکل کر موزوں مقامات پر جمع ہوسکے باقی سب چیزوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ جب تک یہ چاروں چیزیں ایک جگہ نہ پائی جائیں تیل

پائے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

زمین کے بہت سے حصے ایسے ہیں جو بڑی سخت آتشی چٹانوں سے بنے ہوئے ہیں۔ ایسے خطوں میں تیل کی تلاش بے کار ہے، یہاں تیل پایا نہیں جاسکتا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ سطح زمین کا تقریباً آدھا حصہ اس قسم کی چٹانوں سے بنا ہوا ہے۔ اس لیے جب تیل ڈھونڈنا ہو تو صرف ایسی جگہیں دیکھی جائیں جہاں ریت پتھر، چونے کا پتھر، یا ریت یا اسی قسم کی دوسری ایسی تہہ موجود ہو جہاں تیل جمع رہ سکے۔ پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ زمین کے اندر کوئی حصہ ایسا ہے یا نہیں جہاں تیل تیار ہوا ہو۔ ارضیات کا ماہر سطح کے اندر سے نکالی ہوئی مٹی اور پتھر کا امتحان کرکے یہ بتا سکتا ہے۔ اس کے بعد دیکھنا چاہیے کہ زمین کی ایسی بناوٹ ہے یا نہیں کہ اس میں دور دور سے تیل آکر ایک محدود علاقے میں جمع ہوسکے اور مسام دار تہہ کے اوپر ایک غیر مسام دار تہہ بھی موجود ہے یا نہیں۔ یہ سب باتیں موجود ہوں تو تیل کا پایا جانا ضروری ہے۔

زمین کے کسی حصے میں تیل تیار ہوچکتا ہے تو پہلے وہ مٹی کی تہہ میں پھیلا رہتا ہے۔ اس وقت اُس کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن جب مٹی کی تہہ پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے تو یہ دب جاتی ہے اور تیل اس سے باہر نکل کر زیادہ مسام دار اور کم دبنے والے حصوں میں مثلاً ریت وغیرہ کی تہہ میں چلاجاتا ہے۔ پھر چٹانوں کے دباؤ، پانی کے دباؤ، اندرونی سطح کی تبدیلیوں یاکسی اور سبب سے تیل اپنی جگہ سے حرکت کرنا شروع کرتا ہے اور اس جگہ جمع ہونے لگتا ہے جہاں سے وہ نکل نہیں سکتا۔

ارضیاتی تبدیلیوں اور زمین کی سطحی حرکات کے سبب اس کی تہوں میں شِکَنیں پڑجاتی ہیں اور جگہ جگہ تہہ اُٹھ کر کوہان اور گنبد نما بن جاتی ہے اور یہی حصے آئندہ تیل کے ماخذ بن جاتے ہیں۔ تیل نیچے سے اوپر اٹھتا ہُوا غیر مسام دار سطح تک پہنچ جاتا ہے، اور پھر اس کے نیچے نیچے چلتا چلتا گنبدوں تک پہنچ جاتا ہے۔ نیچے کا پانی اس کو دھکیل کر گنبد کے اندر داخل کر دیتا ہے، کیوں کہ یہ نہ ان کے نیچے ہی آسکتا ہے نہ آزو بازو سے نکل سکتا ہے۔ گنبد کا لفظ مثال کے طور استعمال کیا گیا ہے۔ تاکہ تہوں کا خم سمجھ میں آجائے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ تیل جن گنبدوں میں مُقیّد ہوتا ہے وہ بھی ہماری عمارتوں کے گنبد جیسے چھوٹے ہوتے ہیں۔

جہاں تیل ہوتا ہے وہاں گیس بھی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن یہ لازمی نہیں ہے کہ جہاں گیس ہو وہاں سے تیل بھی نکلے۔ اکثر جگہ زمین میں سوراخ کرنے سے صرف گیس نکلتی ہے۔ وہاں تیل کا نام بھی نہیں ہوتا۔ گنبد کے اندر گیس، تیل اور پانی اپنی اپنی کثافت کے لحاظ سے جمع ہوجاتے ہیں۔ گیس سب سے ہلکی ہوتی ہے اس لیے اوپر رہتی ہے، اس کے نیچے تیل ہوتا ہے اور سب سے نیچے پانی۔

یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جن جگہوں میں تیل جمع رہتا ہے ان کی حیثیت تالاب کی سی نہیں ہوتی کہ جن میں تیل بھرا ہوا موجود ہو۔ یہ جگہیں دراصل مسام دار چٹانوں یاریت وغیرہ سے بھری ہوتی ہیں اور انھی میں تیل موجود رہتا ہے۔ (ماخوذ از ”جدید معلوماتِ سائنس“)

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) زمین سے نکلنے والے خزانوں میں پٹرولیم کی کیا اہمیت ہے ؟
(ب) پٹرولیم قدیم دریافت ہے، دو حوالے دے کر ثابت کیجیے۔
(ج) قدیم دور میں پٹرول کس کس طرح استعمال کیا جاتا تھا ؟
(د) رسوبی چٹانیں کیا ہیں اور یہ کیسے وجود میں آتی ہیں ؟
(ہ) موجودہ دور میں پٹرولیم کی کیا اہمیت ہے اور اس کے کیا کیا استعمالات ہیں ؟
(و) پٹرولیم کی تلاش کے لیے کس قسم کا علاقہ موزوں ہوتا ہے ؟

سوال نمبر۲: نشان دہی کیجیے کون سے الفاظ مذکر ہیں اور کون سے مؤنث ؟

مسام	چٹان	تہہ	شکن	دریا
سبب	تفصیل	بناوٹ	تالاب	قُوّت

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) بابل کے قریب تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے:
(الف)زینوفون (ب)مارکُوپولو (ج)ہیرودوٹس (د)واسکوڈی گاما

(۲) دنیا کی تیز ترین مشینیں چلتی ہیں:
(الف)کوئلے سے (ب)بجلی سے (ج)پٹرول سے (د)گیس سے

(۳) کیمیاوی نقطۂ نگاہ سے پٹرولیم چیز ہے:
(الف)سادہ (ب)پیچیدہ (ج)سخت (د)بے کار

(۴) جہاں تیل پایا جاتا ہے وہاں چٹانیں ہوتی ہیں:

(الف)بھربھری (ب)پتھریلی (ج)نرم (د)مسام دار

(۵) جہاں تیل ہوتا ہے وہاں ضروری نہیں کہ ہوتی ہو:

(الف)مٹی (ب)گیس (ج)چاندی (د)آکسیجن

سوال نمبر۴ : ”توانائی کے اہم ذرائع“ کے عُنوان پر مضمون تحریر کیجیے۔

سرگرمی

- طلبہ اپنے علاقے میں ہونے والے کسی سائنسی سیمینار میں شرکت کریں گے اور اس کی مختصر رُوداد لکھیں گے۔

برائے اساتذہ

- سبق کے تناظر میں طلبہ کو سائنس کے مضامین اردو زبان میں پڑھے جانے کی اہمیت و افادیت بتائیے۔

پروفیسر ڈاکٹر ابواللّیث صدیقی

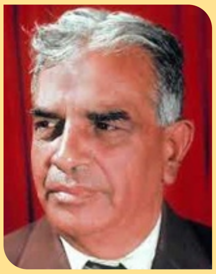

- پیدایش: جون ۱۹۱۶ء آگرہ
- وفات: ستمبر ۱۹۹۴ء کراچی
- تصانیف: لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، جامع القواعد، آج کا اردو ادب، نظیر اکبر آبادی اس کا عہد اور شاعری، تاریخ زبان و ادبِ اُردو، بیسویں صدی کا اردو ادب، رفت و بود (خود نوشت)، اُردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ

کچھ ذریعۂ تعلیم کے باب میں

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱)علمی یا ادبی گفتگو سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔ (۲) مختلف ادبی اصطلاحات پر گفتگو کرسکیں۔ (۳) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج، کردار یا واقعات کی تشریح استحسانی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۴) لغت کو لسانی، قواعد، اشتقاق، مشتقات، وضعی و لفظی معنی کے حوالوں سے استعمال کرسکیں۔(۵) کسی علمی مضمون میں استعمال کیے گئے الفاظ واصطلاحات کو سمجھ سکیں اور نفسِ مضمون کی تفہیم کرسکیں۔

ذریعۂ تعلیم کے باب میں ہمارے ملک میں گفتگو ہورہی ہے۔ دنیا کے شاید ہی کسی ملک میں کسی مسئلے کے تصفیے نے اتنا وقت لیا ہو اور بد قسمتی یہ ہے کہ ہم اب بھی اتنی مدّت کے بعد کسی متفقّہ فیصلے پر نہیں پہنچے۔

جب تک فارسی اس ملک کی سرکاری اور دفتری زبان رہی، یہی ہماری علمی اور ادبی زبان رہی لیکن اس کی حیثیت ایک اجنبی اور غیر ملکی زبان کی نہ تھی۔ فارسی یہاں لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی تھی۔ بعض لوگوں کی مادری یا پدری زبان تھی اور یہاں کے لوگوں کی بھی یہ ثانوی زبان بن گئی تھی اور اتنی عام ہوگئی تھی کہ لوگ اس میں شعر کہتے تھے۔ دیوان اور مجموعے مرتّب کرتے تھے۔ علمی، ادبی اور تاریخی کتابیں لکھتے تھے۔ جن کو نہ صرف اس ملک میں بلکہ ایران میں بھی اربابِ بصیرت سینے سے لگاتے اور آنکھوں پر رکھتے تھے۔ آخر امیر خُسرو، عبدالقادر بیدؔل، مرزا غالؔب اور پھر آخر میں اقبالؒ کی فارسی اہلِ زبان کے نزدیک بھی ویسی ہی قابلِ قبول ہے۔ فارسی ہی کیا عربی بھی ہماری علمی زبان تھی اور اس کی تحصیل کے بغیر ہمارے عالم کا تصوّر مکمل نہیں ہوتا تھا۔ لیکن فارسی کے اثر و اقتدار نے ایک عرصے تک اردو کی ترقی کو روکے رکھا اور ایک مدت تک یہ زبان صرف روز مرّہ کے کاروبار اور معمولی کاموں کے لیے استعمال ہوتی رہی۔ پہلے پہل صوفیاے کِرام اور علماے عِظام نے اس کی طرف توجہ دی اور اسے برصغیر

ہند و پاکستان میں تبلیغِ دین کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا اور پھر اپنی تعلیمات، مریدوں کی تربیت اور تصنیف و تالیف میں اختیار کیا۔ رفتہ رفتہ اس نے فارسی کے مقابلے میں آنکھیں کھولیں۔ دکھنی درباروں میں اسے سلاطین اور اُمرا کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ شُعَرَا اور نثر نگاروں نے اپنے افکار اور خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اس میں الفاظ کا سرمایہ بڑھا۔ اسالیب پیدا ہوئے اور تھوڑے دنوں میں یہ فارسی کی جانشین بن گئی فارسی سے اس کی دشمنی نہ تھی۔ اس نے فارسی نے بہت سیکھا، فارسی کے پروں سے پرواز کی۔ فارسی نے اس کی آبیاری کی۔ موضوعات اور اسالیب کے تَنَوُّع اور پختگی سے آشنا کرایا اور اس قابل بنادیا کہ یہ اپنے دور کے علمی اور ادبی تقاضوں کو پورا کرسکے۔

آج بھی ہمارے بہت سے نادان دوست کہتے ہیں کہ اگر اس قوم نے انگریزی زبان کا سایۂ عاطفت چھوڑا تو یہ قوم یتیم ہو جائے گی، جاہل رہ جائے گی۔ دنیا میں کوئی اس کی بات نہ پوچھے گا۔ بین الاقوامی حلقوں میں اس کا اعتبار ساقِط ہو جائے گا۔ انگریزی کو چھوڑ کر یہ قوم ذہنی اعتبار سے مُفلِس ہو جائے گی۔ علوم و فنون کا جو ذخیرہ انگریزی میں ہے اور اس میں روز بہ روز جو اضافہ ہو رہا ہے یہ قوم اس سے محروم رہ جائے گی۔

ہمارے مُحِبّانِ قوم کا ایک طبقہ اور ہے جسے اپنی زبان سے بھی ہم دردی ہے۔ یہ لوگ اُصولاً تو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قومی ترقی کے لیے قومی زبان کی ترقی ضروری ہوتی ہے اور ملک میں تعلیم و تدریس کے معیار کو اعلیٰ کرنے کے لیے قومی زبان میں تعلیم ہونی چاہیے۔ لیکن ان کے خیال میں اردو ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ اسے یہ منصب سونپا جائے۔ اِس میں علمی اور فنّی اِصطِلاحات کی کمی ہے۔ اس میں سائنسی مضامین کو ادا کرنے کا اُسلوب پیدا نہیں ہوا ہے۔ جدید علوم و فنون پر کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے۔ غرض ان کے خیال میں ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اپنی زبان میں تعلیم دینے کے مسئلے کو اٹھایا جائے۔

ان سوالوں کا جواب ایک بار نہیں ہزار بار دیا جا چکا ہے اور ان لوگوں نے دیا ہے جو اس زبان اور اس کے سرمائے سے واقف ہیں۔ ان لوگوں نے دیا ہے جو جدید علوم و فنون سے واقف ہیں اور جنھوں نے اپنی تعلیم انگریزی ہی کے ذریعے سے حاصل کی ہے اور جو اس مسئلے کی قومی اور بین الاقوامی حیثیت کے پہلو پر غور کرنے میں اپنی عمریں گزار چکے ہیں۔ لیکن ہر مرتبہ یہ مسائل اسی طرح اٹھائے جاتے ہیں گویا پہلی مرتبہ ان کا اظہار ہو رہا ہے اور ان کا کوئی جواب ہمارے پاس نہیں۔ میں اُنھیں چند مفروضہ مسائل اور خطرات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ جن قوموں نے سائنسی میدان میں ترقی کی ہے کیا واقعی ان کی ترقی انگریزی زبان کی مرہونِ مِنَّت ہے۔ مثال کے طور پر یورپ میں جرمنی کو یا پھر روس کو یا پھر ایشیا میں جاپان کو لے لیجیے۔ ان ملکوں کی سائنسی ترقی اور صنعتی فروغ کوئی ایسی بات نہیں جس پر کوئی بحث ہو سکے اور ان سب ملکوں نے اپنی اپنی زبان میں سائنس کی تعلیم و تدریس سے یہ ترقی کی ہے اور آج بھی سائنسی لٹریچر جتنا ان زبانوں میں شایع ہوتا ہے انگریزی میں شایع ہونے والے لٹریچر سے مقدار یا نوعیت کسی اعتبار سے کم نہیں ہے۔ تو اگر دنیا کے اور چھوٹے بڑے مختلف ممالک اپنی اپنی زبانوں میں جملہ علوم و فنون اور سائنسی، صنعتی

اور تکنیکی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں تو ہماری زبان میں کیا ایسی بنیادی کم زوری اور خامی ہے جس کی بنا پر یہ ہماری تعلیم اور بالخصوص سائنسی تعلیم کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہمارے ایک ممتاز سائنس داں نے ایک عجیب

اور جرمنی میں جرمن زبان میں سائنس کی تعلیم ہو سکتی ہے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ان زبانوں میں سائنس کی تعلیم ہزار سال سے ہو رہی ہے اور اسی لیے یہ زبانیں سائنس کی تعلیم و تدریس کے لیے مناسب اور موزوں بن چکی ہیں۔ میں سائنس دان نہیں ہوں لیکن زبان اور اس کی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ضرور ہوں۔ مجھے قطعاً معلوم نہیں کہ آج سے ہزار سال پہلے انگریزی میں کوئی سائنسی لٹریچر پیدا ہوا تھا۔ میرے علم میں تو اس وقت انگریزی زبان میں پندرہ ہزار الفاظ بھی نہ تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ سائنس کی ترقی کا دارومدار اس پر نہیں کہ زبان میں پہلے سے سائنسی تدریس کے لیے الفاظ کا کتنا ذخیرہ موجود ہوتا ہے بلکہ خود سائنس کی ترقی اس ملک کی زبان کے ذخیرے میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ جس چیز کو ہم نے مُقدَّم سمجھ رکھا ہے وہ مُقدَّم نہیں۔ یہی حال جرمن اور فرانسیسی کا ہے۔ روسی زبان اور روس میں سائنس کی ترقی تو اس کے بھی بعد کے دور میں ہوئی۔

دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جو اس باب میں اردو کا مقابلہ کر سکے۔ اس میں نئے الفاظ کے قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے اور اپنی ساخت اور مزاج کے باعث غیر زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات بھی اس میں بلاتکلف گھل مل جاتے ہیں۔ اس لیے اگر اس کو جدید علوم وفنون کی تعلیم اور تدریس کے لیے اختیار کیا جائے تو یہ اس فرض کو ادا کر سکتی ہے۔ زبان کی ترقی کی جس منزل میں جس قسم کے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اسی قسم کے الفاظ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ الفاظ پہلے پیدا ہو جائیں اور اُن سے کام بعد میں لیا جائے۔

اس سلسلے میں ایک اور مسئلہ اصطلاحاتِ علمیہ کا اٹھایا جاتا ہے۔ بلاشبہ علمی زبان بڑی حد تک اصطلاحی زبان ہوتی ہے لیکن یہ اصطلاحات علمی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ جن ملکوں نے سائنسی علوم میں نمایاں ترقی کی ہے ان میں کسی میں یہ نہیں ہوا کہ پہلے سارے علوم کی اصطلاحات بنالی گئی ہوں اور پھر ان علوم پر کتابیں، مضامین یا مقالات لکھے گئے ہوں۔ بلکہ اصطلاحات ان کتابوں، مضامین اور مقالات کے ذریعے سے ہی رائج ہوتی ہیں اور پھر معیاری قرار پاتی ہیں۔ اس لیے ضروری بات یہ ہے کہ لوگ پہلے ان علوم پر کتابیں اور مقالے لکھیں اور اپنی ضرورت کے لیے علمی اصطلاحات اختیار کریں۔ اردو کے لیے علاوہ اُن ہندوستانی اور پاکستانی زبانوں اور بولیوں کے، جن سے اس کا قریبی رشتہ ہے، فارسی اور عربی دو نہایت اہم ماخذ ہیں۔ جن کے عناصر اور اجزا اردو کی ترکیب میں شامل ہیں اور آج بھی اصطلاح سازی میں کام آتے ہیں۔ لیکن یہ خیال کہ پہلے ساری اصطلاحات کا ذخیرہ جمع ہوجائے پھر کتابیں لکھی جائیں تب جا کر اسے ذریعۂ تعلیم بنایا جائے بالکل گھوڑے کے آگے گاڑی جوتنے کے مترادف ہے۔ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ

ہمارے سائنس کی کتابوں کے مصنّفین کتابیں لکھیں اور دیکھیں کہ ان موضوعات پر پہلے جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں سے کتنی اصطلاحات موزوں اور مناسب ہیں۔ اُنھیں اختیار کریں۔ اس طرح خود بہ خود اصطلاحات معیاری بنتی چلی جائیں گی۔ یہ مسئلہ چراغ سے چراغ روشن ہونے کا ہے ۔ لیکن بڑی بات یہ ہے کہ پہلا چراغ کون روشن کرتا ہے۔

جو لوگ ایمان داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ قومی زندگی میں قومی زبان کی کیا اہمیت ہوتی ہے اُنھیں خلوص کے ساتھ اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ کام صرف چند ادارے پورا نہیں کر سکتے، نہ محض حکومت کی اِعانت اور سرپرستی ان مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ یہ مسئلہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ اسے ایک قومی تحریک کی طرح چلایا جائے۔ اس کے لیے رائے عامّہ تیار کی جائے۔ ہمارے اساتذہ، طلبہ، مصنّفین، مؤلفین، ناشر، تعلیمی حکام، ہمارے صنعتی اور کاروباری ادارے غرض ہماری قومی زندگی کا شعور رکھنے والا ہر شخص اپنی اپنی جگہ اس کی کام یابی میں حصّہ لے۔

(ماخوذ از "ادب و لسانیات")

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) اُردو زبان کی ترقی میں پہلے پہل کن لوگوں نے حصّہ لیا؟

(۲) اُردو سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں فارسی زبان کا کیا مقام تھا؟

(۳) فارسی کے اثر و اقتدار نے اردو پر کیا اثرات ڈالے؟

(۴) اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سلسلے میں ہمارے محبّانِ قوم کا ایک طبقہ کیا کہتا ہے؟

(۵) اردو زبان اپنی کون سی خوبی کی بنا پر جدید علوم و فنون کی تدریس کا فریضہ بہ خوبی سرانجام دے سکتی ہے؟

(۶) علمی اصطلاحات کا رواج کیسے ہوتا ہے؟

(۷) قومی زبان کے نفاذ کا مسئلہ کس طرح حل ہوسکتا ہے ؟

(۸) اردو میں سائنس کی تعلیم و تدریس سے سائنسی میدان میں ترقی ممکن ہے، اس بیان پر اپنی رائے دیجیے۔

سوال نمبر۲: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(ا) ہماری علمی زبان تھی:

(الف)فارسی و عربی (ب)اردو و عربی (ج)اردو و فارسی (د)اردوعربی و فارسی

(۲) قومی ترقی کے لیے ضروری ہوتی ہے:

(الف)عوام کی ترقی (ب)قومی زبان کی ترقی

(ج)علمی و ادبی ترقی (د)سرمایہ داروں کی ترقی

(۳) خیالات اور افکار کے اظہار کا ذریعہ ہے :

(الف)زبان (ب)علم (ج)تعلیم و تدریس (د)سائنس

(۴) اُردو نے پروں سے پرواز کی :

(الف) فارسی کے (ب)عربی کے (ج) ہندی کے (د)انگریزی کے

(۵) اُردو اور فارسی میں ہے:

(الف)محبّت (ب)یگانگت (ج)اجنبیت (د)یک جہتی

سوال نمبر۳: اس سبق کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

تنوّع	اعانت	اصطلاح	سایۂ عاطفت	اربابِ بصیرت	مفروضہ

سوال نمبر۵ : ”قومی زندگی میں قومی زبان کی اہمیت“ کے عنوان پر مضمون تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ اس مضمون کے اہم نکات ترتیب وار تحریر کریں گے۔
- طلبہ کوئی سائنسی مضمون تلاش کرکے پڑھیں گے اور ہم جماعتوں کے سامنے اس کا خلاصہ زبانی پیش کریں گے۔
- طلبہ گروہی سرگرمی کے طور پر مختلف لُغات کے استعمال سے آگاہی حاصل کریں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی مذکورہ سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے اور حسبِ ضرورت رہ نمائی کیجیے۔
- اردو میں سائنسی مضمون تلاش کرنے میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

ڈاکٹر الیاس عشقی (محمد الیاس خان یوسف زئی)

- پیدایش: ۲ - جون ۱۹۲۲ء جے پور
- وفات: ۱۲ - جنوری ۲۰۰۷ء ریاض (سعودی عرب)
- تصانیف: شعر آشوب (فارسی شعری مجموعہ)، دوہا ہزاری، گنبدِ بے در (اُردو شعری مجموعے)، آوازِ لطیف (نثری تحقیقات و تخلیقات)

سندھی شاعری کے تراجِم

حاصلاتِ تعلُّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ : (۱)نثر میں رموزِ اوقاف کا درست استعمال کرسکیں۔ (۲)کسی ادب پارے کے حسن و قبح کا اندازہ کرسکیں۔ (۳)تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (کہانی، افسانہ) کا مناسب انتخاب کرکے پیش کرسکیں۔

ترجمہ ایک دشوار فن سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے بڑے بڑے مُترَجِم اپنے کام سے خوف زدہ رہے ہیں۔ اس خوف کے کئی ڈراؤنے پہلو ہیں۔ جتنا خوف اُتنے وسوسے۔ ہزاروں باتیں سننے میں آتی ہیں۔ مثلاً : یہ کہ مُترَجِم کے لیے اس پائے کے علم اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کتاب یا فن پارے کے مصنف کا ہو جس کا ترجمہ کرنا مقصود ہو۔مصنف تو جس زبان میں لکھتا ہےوہ چاہے اس زبان کا ماہر ہو یا نہ ہو لیکن مُترَجِم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کا ماہر ہو۔ ایک وہ جس سے ترجمہ کرنا مقصود ہو اور دوسری وہ جس میں ترجمہ کرنا ہو۔ مُترَجِم کو اصل مصنف کے انداز میں اور لِسانی خصوصیات کے علاوہ اس کے تعلیمی معیار، اس کے عام حالات، زندگی کے بارے میں اس کے نظریات اور عصری تقاضوں سے جس قدر واقفیت ہوگی اس کے لیے اتنا ہی بہتر ہے یعنی یہ باتیں اس کے بہتر مترجم ہونے میں مُمِدّ و معاون ثابت ہوتی ہیں یہ اور ایسی بہت سی باتیں ترجمے کے کام کو دشوار بناتی ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں نِصف صداقتیں ہیں۔ دنیا کے بہترین مترجم نہ ان شرائط کو پورا کرتے ہیں اور نہ اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ بالفرضِ محال اگر یہ سب باتیں کسی ایک شخص میں جمع بھی ہوجائیں تو یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ ضرور ایک اچھا مترجم بھی ثابت ہوگا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ترجمہ کیسا ہی تخلیقی کیوں نہ ہو آخر ترجمہ ہی ہوتا ہے۔

سندھی شاعری کے منظوم ترجموں کا سلسلہ شاہ عبداللّطیف بھٹائی کی شاعری کے ترجمے سے شروع ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک جو کچھ معلوم ہوسکا ہے وہ یہ ہے کہ شاہ کے رسالے کا اولین منظوم ترجمہ ہالا کے مولوی ہدایت اللہ مرحوم نے فارسی زبان میں کیا تھا۔ وہ اس ترجمے کے مسودے کو ہر وقت اپنے

ساتھ رکھتے تھے۔ بد قسمتی سے کراچی جاتے ہوئے یہ ترجمہ ٹھٹھے کی ایک مسجد میں یا وہ خود بھول گئے یا کسی نے اسے چُرالیا۔ اس ترجمے میں سے اب صرف "سُر سَسّی آبری" میں سے صرف ایک یا دو داستانیں نامکمل صورت میں ملتی ہیں اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ کم سَواد نقل نویس نے بعض الفاظ اس طرح لکھ دیے ہیں کہ وہ پڑھے نہیں جاتے یا پھر اس میں سے بعض اشعار غلط نقل ہوئے ہیں جن کا درست کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس ترجمے کو دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مولوی ہدایت اللہ عربی اور فارسی زبانوں سے بہ خوبی واقف تھے۔ اور اُنھوں نے شاہ کے ترجمے کا ایک گُر پالیا تھا۔مُترَجِم کو شاہ اور رومی کے کلام میں جو مُماثلت نظر آئی، اس کے پیشِ نظر اُنھوں نے اپنے ترجمے کی زبان اور بیان میں مثنوی معنوی (مولانا رومؒ کی مثنوی) کی پیروی کی اور اس انداز کا ترجمہ اُنھوں نے بڑی کام یابی سے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ترجمہ اصل سے وفادار بھی ہے اور خوب صورت بھی کیوں کہ رومی اور شاہ کے فکر و فن میں کافی مشترکات نظر آتے ہیں۔ چناں چہ فارسی جاننے والوں کے لیے اس ترجمے میں مکمل ابلاغ کے ساتھ سرمایۂ کیف بھی موجود ہے۔ اب تک شاہ کے کلام کے جتنے ترجمے ہوئے ہیں ان میں اسی ترجمے کا معیار بلند ہے۔ اس ترجمے کے گم ہوجانے سے لطیفیات کے ذخیرے میں ناقابلِ تلافی نقصان ہی نہیں بلکہ محرومی کا احساس بھی ہوتا ہے۔

اس ترجمے کے بعد انگریزی زبان میں ڈاکٹر سورلے کا ترجمہ سامنے آتا ہے۔ سورلے کی کتاب "شاہ عبداللّطیفؒ آف بھٹ" اب تک شاہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ مُحِقّقانہ، مُعتبَر اور بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کتاب کے لیے سورلے کو شاہ کے کلام کا ترجمہ بھی کرنا پڑا اور شاہ کے کلام کا مُعتَدّبہ حصّہ انگریزی دانوں تک پہنچ گیا۔ یہ ترجمہ ترجمانی کی حد تک بہت کام یاب ہے۔ سورلے کا ترجمہ آزاد ہےاور یورپ میں مشرقی ادب سے دل چسپی رکھنے والے قارئین کو نظر میں رکھ کر کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مُستشرِقین اپنی ساری ذہنی، کسبی، علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کے باوجود مشرق کے تخلیقی ذہن، فنی روایات اور زبانوں سے اہلِ مشرق کی طرح واقفیت نہیں رکھتے۔ اس لیے ان کے تراجم اکثر ترجمانی کی حد سے آگے نہیں بڑھتے۔یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ پائے کے ترجمے کم دست یاب ہوتے ہیں۔

انگریزی زبان میں شاہؒ کے رسالے کے منظوم ترجمے زیادہ تر منتخب اشعار تک ہیں۔ کہیں یہ تعداد چند ابیات تک محدود رہی ہے تو کہیں سیکڑوں ابیات کا ترجمہ بھی ہوا ہے۔ اس قسم کے ترجموں میں تیرتھ داس کا ترجمہ جو اگرچہ تعدادِ ابیات کے اعتبار سے کم ہے لیکن سادہ ورواں زبان میں کیا گیا ہے۔تیرتھ نے زیادہ توجّہ سچّل سرمست کے کلام پر کی ہے۔ وہ ان کے فارسی کلام کا دِل دادہ تھااور اس کے ترجموں میں زیادہ تعداد سچل کی فارسی مثنویوں کے اقتباسات کی ہے تاہم شاہ کے کلام کا جس قدر ترجمہ کیا گیا ہےوہ ترجمانی کی اچھی مثال ہے۔ مسز ایلسا قاضی اور جی الانا کے سوا شاہ کے تمام منظوم ترجمے ضرورت کے تحت کیے گئے تھے۔

سندھ میں کیے جانے والے انگریزی ترجموں میں تین قابلِ ذکر ہیں۔ پہلا ترجمہ پروفیسر اکرم انصاری کا ہے جو اُن کے طویل غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اس لیے عالمانہ اور فلسفیانہ انداز لیے ہوئے ہےاور اس سے

ایک عام قاری لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔ دوسرا ترجمہ جی الانا صاحب کا ہے جو کچھ دن ہوئے بڑی آب و تاب سے شایع ہوا ہے۔ اس سے بھی شاہ کے خیالات کا ابلاغ ہوجاتا ہے۔ تیسرا ترجمہ مسز ایلسا قاضی کا کِیا ہوا ہے جو مرحوم علامہ آئی آئی قاضی کی شریکِ حیات اور ایک جرمن تھیں اور جنھیں مستشرقین میں شامل کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مرحومہ بڑی خوبیوں کی مالک تھیں۔ انگریزی زبان میں شاعری کرتی تھیں۔ اگرچہ انگریزی ان کی مادری زبان نہ تھی لیکن اس پر اُنھیں مکمل دست رس حاصل تھی۔ پاکستان میں اپنے طویل قیام کی وجہ سے اُنھوں نے سندھ کے ماحول، روایات اور ثقافت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اُنھیں علامہ قاضی کی ہم راہی اور ہم سری حاصل تھی۔ اُنھوں نے ایک شاعر کی طرح شاہ کی شاعری کو سمجھا اور محسوس کیا۔ اس حد تک کہ اسے اپنے اوپر طاری کرلیا جس کا بیان اے کے بروہی صاحب نے ان کے ترجموں کے مجموعے پر اپنے فاضلانہ مقدمے میں کیا ہے۔اس ترجمے میں انوکھی بات یہ ہے کہ رِدم اور وزن ہی نہیں بلکہ قافیے کے استعمال کے سلسلے میں بھی اصل کی پیروی کی گئی ہے۔ اس وجہ سے بلاشک یہ ترجمہ انگریزی ترجموں کی تاریخ میں ہمیشہ خوب صورت، بلند پایہ اور معیاری سمجھا جائے گا۔ اے کے بروہی صاحب کے نزدیک تو یہ ترجمہ اس عہد کا بہترین ترجمہ ہے۔ یقیناً اس کی یہ خصوصیت کہ اس کا وزن سندھی بیت کے وزن سے قریب ہے اور اس میں قافیے بھی سندھی بیت کی پیروی میں ہمیشہ مصرعے کے آخر ہی میں نہیں بلکہ کبھی کبھی مصرعِ اوّل اور مصرعِ آخر کے درمیان میں بھی لائے گئے ہیں اور یہ مغربی شاعری کی روایت نہیں ہے۔ یہ ترجمہ اس اعتبار سے منفرد ہے۔

یورپ کی دوسری زبانوں میں شاہ کے کلام کے ترجمے شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں۔ ان میں پروفیسر ڈاکٹر این مری شمل کا جرمن ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔

اردو زبان میں شاہ کے کلام کے ترجمے پچھلے پینتیس سال سے کیے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ان میں سے بیش تر ترجمے منظوم ہیں مگر ان سب مُترَجِمین میں شیخ ایاز کی کوشش قابلِ قدر اور تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اُنھوں نے شاہ کے مکمل رسالے کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے جو دو بار طبع ہوچکا ہے۔ اس ترجمے کی نمایاں خوبی یا کم زوری یہ ہے کہ یہ اردو شاعری کے عام انداز اور تغزل میں کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ ترجمہ خوش آیند ہے۔ ایاز کا ترجمہ اہلِ ذوق کو پسند ہے۔ ویسے بھی یہ ایک آزاد ترجمہ ہے۔

اُردو زبان میں جو دوسرے ترجمے ہوئے ہیں۔ ان میں رشید احمد لاشاری مرحوم کے ترجمے کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ مرحوم نے پہلے ایاز اور آفاق صدیقی کے انداز میں ترجمے کا آغاز کیا اور مختلف بحروں میں بندوں کی مختلف ترتیبوں میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک پروگرام کے لیے میں نے چند سندھی بیتوں کا ترجمہ اُردو بیتوں کی صورت میں کیا۔ اس صنف کی اردو شکل لاشاری مرحوم کو پسند آئی اور اُنھوں نے سُر کلیان اور ایمن کلیان کی چند داستانوں کا انتخاب کرکے اُردو بیتوں کی صورت میں ان کا ترجمہ کیا جو بعد میں میں ایک مختصر کتاب کی صورت میں چھپ گیا تھا۔ اسی زمانے میں بعض دوستوں کے اصرار پر راقمُ الحُروف نے بھی

پچاس ساٹھ بیتوں کا ترجمہ اسی انداز میں کیا ہے، جسے دوستوں نے پسند کیا اور ہمت افزائی بھی کی۔

اُردو میں شاہ لطیف کے کلام کے اکثر ترجمے قابلِ مطالعہ ہیں۔ سندھی موسیقی کا کمال کہیے کہ اردو میں بیتوں کے مقابلے میں شاہ کی وائیوں کا ترجمہ زیادہ ہوا ہے اور جو تھوڑا بہت تعارف شاہ عبداللّطیف بھٹائی کی شاعری کا اردو داں طبقے سے ہوا ہے وہ اُنھیں ترجموں کی بہ دولت ہے۔ چناں چہ ہم جانتے ہیں کہ شاہ لطیف، سچل سرمست، عبدالقادر بیدل اور شیخ ایاز آج قارئین کے لیے نئے نام نہیں ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ اردو کے ایسے شعرا کا کارنامہ ہے جن میں سے اکثر سندھی زبان سے کَمَاحَقَّہٗ واقف نہیں ہیں۔ اردو تراجم کی بہترین مثال وہ ترجمے ہیں جو کبھی کبھی شیخ ایاز نے شاہ لطیف، سچل سرمست اور خود اپنے کلام کے اردو نظم میں کیے ہیں۔

آفاق صدیقی نے پچھلے چوبیس سال میں سندھی زبان کے متعدد کلاسیکی اور جدید شعرا کے فن پاروں کے کام یاب ترجمے کیے ہیں چوں کہ یہ ترجمے ایک طویل مدت میں اطمینان اور توجہ سے کیے گئے ہیں اس لیے ان میں سے اکثر ترجمے معیاری ہیں۔ دوسرے شعرا میں جنھوں نے وقتاً فوقتاً شاہ کے کلام کے منظوم ترجمے کیے ہیں۔ رئیس امروہوی، ابن انشا، آذر نایاب، حمایت علی شاعر، حفیظ ہوشیارپوری، لطف اللہ بدوی، جمیل نقوی اور عاصمہ حسین قابلِ ذکر ہیں۔

شاہ کے علاوہ کلاسیکل شاعری میں سچل سرمستؒ، بیدل، گرھوڑیؒ، شاہ عبدالکریمؒ، شاہ محمد زمانؒ لواری شریف والے اور دوسرے شعرا کے ترجمے اردو زبان میں کافی تعداد میں ہوتے رہے ہیں۔ جن لوگوں کے پورے کلام کا ترجمہ ہوچکا ہے ان میں شاہ لطیفؒ کے علاوہ شاہ محمد زمانؒ لواری کا نام خاص ہے، جن کے ابیات کا ترجمہ فارسی نظم میں نیاز ہمایونی صاحب نے کیا ہے اور اردو میں یہ سعادت پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام کے حصے میں آئی ہے۔ یہ دونوں ترجمے چھپ کر شایع ہوچکے ہیں۔ میں وُثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سندھی کا کوئی معروف کلاسیکی اور جدید شاعر ایسا نہ ہوگا جس کے کلام کا کچھ نہ کچھ حصہ اردو میں منتقل نہ ہوا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض کے کلام کا زیادہ حصہ اردو میں ترجمہ ہوگیا ہے اور بعض کا کم۔ لیکن کیا یہ کم ہے کہ ترجمے کا یہ کام برابر ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی ہورہا ہے۔ کتابی صورت میں چھپنے والے ترجموں میں شیخ ایاز کے منتخب کلام کا ترجمہ ”حلقہ مری زنجیر کا“ جسے اردو کی مشہور شاعرہ فہمیدہ ریاض نے منظوم کیا ہے۔ آفاق صدیقی غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے سندھی شعرا کے کلام کے منظوم ترجمے کا آغاز کیا تھا، جسے بعد میں منظر ایوبی، آذر نایاب، احسن حمیدی، حمایت علی شاعراور محسن بھوپالی وغیرہ نے آگے بڑھایا۔ جدیدسندھی شعرا کے کلام کو اردو میں منتقل کرنے کے سلسلے میں راقم الحروف کی ناچیز کوششوں کو بھی دخل رہا ہے، تئیس (۲۳) جدید شعرا کی ڈھائی سو کے قریب منتخب نظموں کا ایک منظوم ترجمہ ”موج موج مہران“ کے نام سے انجمن ترقی اردو نے شایع کیا تھا۔

(ماخوذ از : الیاس عشقی کی اردو نثر)

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) فن ترجمہ نگاری کسے کہتے ہیں؟

(۲) اچھے مترجم میں کیا کیا خوبیاں ہونی چاہییں؟

(۳) سندھی زبان کے منظوم ترجموں کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

(۴) "شاہ جو رسالو" کا اوّلین منظوم ترجمہ کس نے کیا؟

(۵) مولانا رومی کون تھے اور شاہ لطیف سے ان کا کیا تعلق تھا؟

(۶) شاہ کے کلام کا جو ترجمہ مسز ایلسا قاضی نے کیا وہ کیوں منفرد ہے؟

سوال نمبر۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) مترجم کو عبور ہونا چاہیے:

(الف) زبانوں پر (ب) عصری تقاضوں پر (ج) حالات پر (د) نظریات پر

(۲) شاہ کے مکمل رسالے کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے:

(الف) شیخ ایاز نے (ب) رشید احمد لاشاری نے (ج) ڈاکٹر نجم الاسلام نے (د) فہمیدہ ریاض نے

(۳) جرمن ترجمہ قابلِ ذکر ہے:

(الف) ایلسا قاضی کا (ب) این مری شمل کا (ج) جی الانا کا (د) اکرم انصاری کا

(۴) معیاری ترجمہ کرنے کے لیے واقفیت ضروری ہے:

(الف) زبان اور ادبیات سے (ب) زبانی اور فنی روایات سے

(ج) ادبی فکر اور فلسفے سے (د) ادبی ذوق اور مطالعے سے

(۵) شاہ محمد زمان لواری کے ابیات کا اردو ترجمہ کیا ہے:

(الف) نیاز ہمایونی نے (ب) ڈاکٹر نجم السلام نے

(ج) ابن انشا نے (د) حفیظ ہوشیار پوری نے

واوین ("") : واوین وہ علامت ہے جو کسی تحریر کا اقتباس پیش کرتے وقت یا کسی کا قول پیش کرتے وقت لگائی جاتی ہے۔ مثلاً : "اپنا خیال رکھنا راہی، جلد ملاقات ہوگی"۔ فاروق نے کہا۔

- کسی کتاب، باب، کہانی، مضمون وغیرہ کا نام لکھتے ہوئے یا کسی لفظ کو واضح کرنے کے لیے بھی واوین کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً : کتاب "شاہ عبداللّطیف آف بھٹ" ڈاکٹر سورلے نے تحریر کی۔

سوال نمبر۳: دیے گئے پیراگراف میں واوین کا استعمال کیجیے:

امتیاز صاحب نے ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب توبۃ النصوح اور ناصر کاظمی کی برگِ نے لاکر اپنے طلبہ کو پڑھنے کے لیے دی۔ سرور کو برگِ نے پسند آئی۔

سرگرمیاں

- طلبہ سبق میں مذکورہ کوئی بھی دو ترجمہ شدہ کتب تلاش کر کے کمرۂ جماعت میں پیش کریں گے۔
- طلبہ اپنی اپنی پسند کی کوئی کتاب کمرۂ جماعت میں لاکر اُس میں سے پسندیدہ حصّہ ساتھیوں کو سنائیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو تراجم کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔
- ادبی کُتب کے انتخاب میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

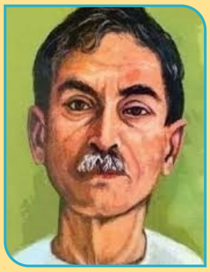

منشی پریم چند (دھن پت رائے)

پیدایش : ۱۸۸۰ء بنارس (ہندوستان)

وفات : ۱۹۳۶ء وارانسی (ہندوستان)

تصانیف : سوزِ وطن، زادِ راہ، واردات، آخری تحفہ، پریم چالیسی، فردوسِ خیال، خواب و خیال (افسانے)، بیوہ (ڈراما)

زیور کا ڈبّا

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ : (۱)اصنافِ نثر کی تعریف کرسکیں اور ان میں امتیاز کرسکیں۔ (۲)ذاتی واقعات و مشاہدات تحریر کرسکیں۔(۳)جماعت میں لیکچروں کو سمجھ کر اُن کے چیدہ چیدہ نکات ڈائری میں نوٹ کرسکیں۔ (۴) مختلف اسالیب کی تحریریں مرتب کرکے پیش کرسکیں۔

بی۔اے پاس کرنے کے بعد چندر پرکاش کو ایک ٹیوشن کرنے کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ ان کی ماں پہلے ہی مرچکی تھی۔ اسی سال والد بھی چل بسے، اور پرکاش زندگی کے جو شیریں خواب دیکھا کرتا تھا، وہ مٹی میں مل گئے۔ والد اعلیٰ عہدے پر تھے۔ ان کی وَساطت سے چندر پرکاش کو کوئی اچھی جگہ ملنے کی پوری امید تھی مگر وہ سب منصوبے دھرے رہ گئے اور اب گزر اوقات کے لیے صرف تیس روپے ماہ وار کی ٹیوشن ہی رہ گئی ۔والد نے کوئی جائیداد نہ چھوڑی۔ بیوی بھی ملی تو تعلیم یافتہ، شوقین، زبان کی طرّار، جسے موٹا کھانے اور موٹا پہننے کی نسبت مرجانا قبول تھا۔ چندرپرکاش کو تیس کی نوکری کرتے شرم آتی تھی لیکن ٹھاکر صاحب نے رہنے کے لیے مکان دے کر ان کے آنسو پونچھ دیے۔یہ مکان ٹھاکر صاحب کے مکان سے بالکل مِلا ہُوا تھا، پختہ، ہوا دار، صاف ستھرا، اور ضروری سامان سے آراستہ۔ ایسا مکان بیس روپے ماہ وار سے کم میں نہ مل سکتا تھا۔ کام صرف دو گھنٹے کا تھا۔ لڑکا تو لگ بھگ اُنھی کی عمر کا تھا مگر بڑا کُند ذہن، کام چور۔ ابھی نویں درجے میں پڑھتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ٹھاکر اور ٹھکرائن دونوں پرکاش کی بڑی عزّت کرتے تھے بلکہ اپنا ہی لڑکا سمجھتے تھے۔ گویا ملازم نہیں بلکہ گھر کا آدمی تھا اور گھر کے ہر ایک معاملے میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔

شام کا وقت تھا، پرکاش نے اپنے شاگرد، ویرانِدر کو پڑھا کر چلنے کے لیے چھڑی اٹھائی تو ٹھُکرائن نے کہا : ”ابھی نہ جاؤ بیٹا، ذرا میرے ساتھ آؤ، تم سے کچھ کہنا ہے۔“ پرکاش نے دل میں سوچا، وہ کیا بات ہے جو ویرانِدر کے سامنے نہیں کہی جاسکتی ۔ پرکاش کو علاحدہ لے جاکر اُمادیوی نے کہا: ”تمھاری کیا صلاح ہے،

ویرو کا بیاہ کردوں، ایک بہت اچھے گھر کا پیغام آیا ہے۔"

پرکاش نے مسکراکر کہا: "یہ تو ویرو بابو ہی سے پوچھیے۔"

"نہیں میں تم سے پوچھتی ہوں۔"

"جیسا آپ مناسب خیال فرمائیں۔"

"تو کر ڈالوں ؟ مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ لڑکا کہیں بہک نہ جائے، پھر پچھتانا پڑے گا۔"

"میرے رہتے ہوئے تو آپ اس کی فکر نہ کریں۔ ہاں ! مرضی ہو تو کر ڈالیے، کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔"

"سب تیاریاں تمھیں کرنا پڑیں گی یہ سمجھ لو۔"

"تو میں کب انکار کرتا ہوں۔"

بات پکّی ہوگئی اور شادی کا سامان ہونے لگا۔ ٹھاکر صاحب ان اصحاب میں سے تھے جنھیں اپنے اوپر بھروسا نہیں ہوتا۔ ان کی نگاہ میں پرکاش کی ڈگری اپنےساٹھ سالہ تجربے سے زیادہ قیمتی تھی۔ شادی کا سارا انتظام پرکاش کے ہاتھوں میں تھا۔ دس بارہ ہزار روپے خرچ کرنے کا اختیار کچھ تھوڑی عزّت کی بات نہیں تھی۔ دیکھتے دیکھتے ایک خستہ حال نوجوان ذمے دار مینیجر بن بیٹھا ہے۔ کہیں بزّاز اسے سلام کرنے آیا ہے۔ کہیں محلّے کا بنیا گھیرے ہوئے ہے۔ کہیں گیس اور شامیانے والا خوشامد کر رہا ہے۔ وہ چاہتا تو دو چار سو روپے آسانی سے اُڑا سکتا تھا۔ اتنا کمینہ نہ تھا۔ پھر اس کے ساتھ دغا کرے جس نے سب کچھ اسی پر چھوڑدیا ہو۔ مگر جس دن اس نے پانچ ہزار کے زیورات خریدے اس کے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا۔

گھر آکر چمپا سے بولا : "ہم تو یہاں روٹیوں کے محتاج ہیں اور دنیا میں ایسے ایسے آدمی پڑے ہیں جو ہزاروں لاکھوں روپے کے زیورات بنوا ڈالتے ہیں۔ ٹھاکر صاحب نے آج بہو کے چڑھاوے کے لیے پانچ ہزار کے زیور خریدے ۔ ایسی ایسی چیزیں کہ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں۔ سچ کہتا ہوں کہ بعض پر تو آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی۔"

چمپا حاسدانہ لہجے میں بولی: "اونہہ ! ہمیں کیا کرنا ہے، جنھیں ایشور نے دیا ہے وہ پہنیں۔ یہاں تو رو رو کر مرنے کو پیدا ہوئے ہیں۔"

چندرپرکاش بولا: "یہی لوگ مزے اڑاتے ہیں۔ باپ دادا چھوڑ گئے ہیں مزے سے کھاتے اور چین کرتے ہیں۔"

چمپانے کہا "میں تو اسی سوچ میں ہوں کہ ٹھکُرائن کے یہاں شادی میں کیسے جاؤں گی۔ سوچتی ہوں بیمار پڑ جاتی

تو جان بچتی"۔ یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

چندرپرکاش: "یہ مصیبت کے دن ہمیشہ نہ رہیں گے۔ زندہ رہا تو ایک دن سر سے پاؤں تک زیور سے لدی ہوگی۔"

چمپا مسکرا کر بولی: "چلو ایسی من کی مٹھائی میں نہیں کھاتی، گزر ہو جائے۔ یہی بہت ہے۔"

رات کو دونوں کھانا کھا کر سوئے تو پرکاش نے پھر زیوروں کا ذکر چھیڑا۔ زیور اس کی آنکھوں میں بسے ہوئے تھے، "اس شہر میں ایسے بڑھیا زیور بنتے ہیں، مجھے اس کی اُمید نہ تھی۔"

چمپا نے کہا: "کوئی اور بات کرو۔"

"ایسی چیزیں تم پہنو تو رانی معلوم ہونے لگو۔"

"زیوروں سے کیا خوب صورتی معلوم ہوتی ہے۔"

رات کے بارہ بج گئے ہیں۔ پھر بھی پرکاش کو نیند نہیں آتی۔ بار بار وہی چمکیلے زیور آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ کچھ بادل گھِر آئے ہیں اور بار بار بجلی چمک اٹھتی ہے۔ یکایک پرکاش چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دبے پاؤں کمرے سے باہر چھت پر آیا تھا۔ ٹھاکر صاحب کی چھت اس چھت سے ملی ہوئی تھی۔ بیچ میں ایک پانچ فٹ اونچی دیوار تھی۔ وہ دیوار پر چڑھ کر ٹھاکر صاحب کی چھت پر آہستہ سے اتر گیا۔ گھر میں بالکل سناٹا تھا۔

دھوپ نکل آئی تھی۔ پرکاش ابھی سورہا تھا کہ چمپا نے اسے جگا کر کہا: "بڑا غضب ہوگیا۔ رات کو ٹھاکر صاحب کے گھر میں چوری ہوگئی۔ چور زیوروں کا ڈبّا اُٹھا کر لے گئے۔"

پرکاش نے پڑے پڑے پوچھا: "کسی نے پکڑا نہیں چور کو۔"

"کسی کو خبر بھی نہیں، وہی ڈبّا لے گئے جس میں شادی کے زیور رکھے تھے۔ نہ جانے کیسے چابی اُڑالی۔ اور انھیں کیسے معلوم ہوا کہ اس صندوق میں ڈبّا رکھا ہے۔"

"نوکروں کی کارستانی ہوگی۔ باہر کے آدمی کا یہ کام نہیں ہے۔"

"نوکر تو ان کے تینوں پرانے ہیں۔"

"نیت بدلتے کیا دیر لگتی ہے، آج موقع دیکھا، اُڑالے گئے۔"

"تم جاکر ان کو تسلی دو ٹھکُرائن بے چاری رو رہی تھیں۔ تمھارا نام لے کر کہتی تھیں : "بے چارا مہینوں ان زیوروں کے لیے دوڑا۔ ایک ایک چیز اپنے سامنے بنوائی اور چورمونڈی کاٹے نے اس کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔"

پرکاش جھٹ پٹ اٹھ بیٹھا اور گھبرایا ہوا سا جاکر ٹھکُرائن سے بولا : "یہ تو بڑا غضب ہوگیا ،ماتا جی ! مجھے تو ابھی ابھی چمپا نے بتلایا۔"

ٹھاکر صاحب سر پر ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھے تھے، بولے : "کہیں سیندھ نہیں، کوئی تالا نہیں ٹوٹا، کسی دروازے کی چول نہیں اتری ،سمجھ نہیں آتا چور آیا کدھر سے ؟"

ٹھکُرائن نے رو کر کہا : "میں تو لٹ گئی بھیا، بیاہ سر پر ہے، کیا ہوگا بھگوان۔ تم نے کتنی دوڑ دھوپ کی تھی، تب کہیں جاکر چیزیں تیار ہو کر آئی تھیں۔"

پرکاش نے ٹھاکر صاحب کے کان میں کہا: "مجھے تو کسی نوکر کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔"

ٹھکُرائن نے مخالفت کی : "ارے نہیں بھیا ! نوکروں میں کوئی نہیں۔ دس دس ہزار روپے یوں ہی اوپر رکھے رہتے ہیں۔ کبھی ایک پائی کا نقصان نہیں ہوا۔"

ٹھاکُر صاحب نے ناک سکوڑکر کہا: "تم کیا جانو، آدمی کا دل کتنی جلدی بدل جاتا ہے۔ جس نے ابھی تک چوری نہیں کی وہ چوری نہیں کرے گا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ میں پولیس میں رپورٹ کروں گااور ایک ایک نوکر کی تلاشی کراؤں گا۔ مال اڑا دیا ہوگا۔ جب پولیس کے جوتے پڑیں گے تو آپ اقبال کریں گے۔"

پرکاش نے پولیس کا گھر میں آنا خطرناک سمجھا۔ کہیں ان کے گھر کی تلاشی لیں تو ستم ہی ہوجائے گا۔ بولے : "پولیس میں رپورٹ کرنا اور تحقیقات کرنا بالکل بے فائدہ ہے۔"

ٹھاکُر صاحب نے منہ بنا کر کہا : "تم بھی کیا بچوں کی سی بات کررہے ہو پرکاش بابو ! بھلا چوری کرنے والا خود بہ خود اقبال کرلے گا ! ہاں تم زدوکوب بھی نہیں کرسکتے! پولیس میں رپورٹ کرنا مجھے بھی فضول معلوم ہوتا ہے، مال چلا گیا، اب کیا ملے گا۔"

پرکاش : "لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔آپ بیٹھ رہیے لیکن میں بیٹھنے والا نہیں۔ میں انھیں نوکروں کے سامنے چور کا نام نکلواؤں گا۔"

ٹھکُرائن : "نوکروں پر مجھے پورایقین ہے۔ کسی کا نام بھی نکل آئے تو مجھے یہی خیال رہے گا کہ یہ کسی باہر کے آدمی کا کام ہے۔ چاہے جدھر سے آیا ہو پر، چور آیا باہر سے۔"

ٹھاکر : ”ہاں ذرا اپنے کوٹھے پر دیکھو شاید کچھ نشان ملے۔ کل دروازہ تو کھلا ہوا نہیں رہ گیا ؟“

پرکاش کا دل دھڑکنے لگا، بولا : ”میں تو دس بجے دروازہ بند کرلیتا ہوں۔ ہاں کوئی پہلے سے موقع پاکر کوٹھے پر چلا گیاہواور وہاں چھپا بیٹھا رہا ہو تو دوسری بات ہے“۔ جہاں پرکاش کا پاؤں پڑا تھا، وہاں کا چونا لگ جانے سے چھت پر پاؤں کا نشان پڑگیا تھا۔ پرکاش کی چھت پرجاکر منڈیر کی دوسری طرف دیکھا تو ویسے ہی نشان وہاں بھی دکھائی دیے۔ ٹھاکر صاحب سر جھکائے کھڑے تھے۔ لحاظ کے مارے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ پرکاش نے ان کے دل کی بات کھول دی: ”اب تو کوئی شک ہی نہیں رہا۔“

ٹھاکُر صاحب نے کہا : ”ہاں میں بھی یہی سمجھتا ہوں ، لیکن اتنا پتا لگ جانے سے کیا ۔ مال تو جانا تھا وہ گیا۔ اب چلو آرام سے بیٹھو۔“

پرکاش : ”میں آج ہی گھر چھوڑ دوں گا۔“ ٹھاکر : ”کیوں ہمیں تمھارا ۔۔۔“

پرکاش : ”آپ نہ کہیں لیکن میں سمجھتا ہوں، میرے سر پر بہت بڑی جواب دہی آگئی، میرا دروازہ تو دس بجے تک کھلا ہی رہتا ہے۔ چور نے راستہ دیکھ لیا ہے۔ ممکن ہے دو چار روز میں پھر آگھسے۔ گھر میں اکیلی ایک عورت ہے، سارے گھر کی نگرانی نہیں کرسکتی۔ادھر وہ تو باورچی خانے میں بیٹھی ہے ادھر کوئی چپکے سے اوپر بڑھ گیا تو ذرا بھی آہٹ نہیں مل سکتی۔ میں گھوم گھام کر کبھی نو بجے آیا، کبھی دس بجے اور شادی کے دنوں میں دیر ہوتی رہے گی۔ادھر کا راستہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔ میں تو سمجھتا ہوں چوری کی ساری ذمّے داری میرے سر ہے۔“

ٹھکُرائن ڈریں : ”تم چلے جاؤگے، بھیّا ! تب تو گھر اور پھاڑ کھائے گا۔“

پرکاش : ”کچھ بھی ہو ماتا جی۔ مجھے بہت جلد گھر چھوڑ دینا پڑے گا۔ میری غفلت سے چوری ہوگئی۔ اس کا مجھے خمیازہ اٹھانا پڑے گا۔“

پرکاش چلا گیا تو ٹھاکر کی عورت نے کہا : ”بڑا لائق آدمی ہے ۔“

پرکاش نے اسی دن وہ گھر چھوڑ دیا۔ اس گھر میں رہنے میں خدشہ تھا، لیکن جب تک شادی کی دھوم دھام رہی، اکثر تمام دن یہیں رہتے تھے۔

اب تک پرکاش اور چمپا میں کوئی راز نہ تھا۔ پرکاش کے پاس جو کچھ تھا وہ چمپا کا تھا۔ چمپا ہی کے پاس اس کے ٹرنک، صندوق اور الماری کی چابیاں رہتی تھیں۔ مگر اب پرکاش کا ایک صندوق ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس کی چابی کہاں تھی اس کا چمپا کو پتا نہیں، وہ پوچھتی ہے : ”اس صندوق میں کیا ہے ؟“ تو وہ کہہ دیتے ہیں :

"کچھ نہیں، پرانی کتابیں ہیں ماری ماری پھرتی تھیں، اٹھا کے صندوق میں بند کردی ہیں۔" چمپا کو شک کی گنجایش نہ تھی۔

ایک دن چمپا انھیں پان دینے گئی، تو دیکھا وہ اس صندوق کو کھولے کچھ دیکھ رہے ہیں۔ اسے دیکھتے ہی ان کا چہرہ فق ہوگیا۔ شبہے کا اکھوا نکلا مگر پانی بہہ کر سوکھ گیا۔ چمپا کسی ایسے راز کا خیال ہی نہ کرسکی جس سے شبہے کو غذا ملتی۔

مگر جب تک صندوق کھول کر تمام چیزیں دیکھ نہ لے پرکاش کو چین کہاں۔ چمپا جیسے ہی کھانا پکانے لگی۔ وہ صندوق کھول کر دیکھنے لگا۔ آج چمپا نے پکوڑیاں بنائی تھیں، پکوڑیاں گرم گرم ہی مزا دیتی ہیں۔ پرکاش کو پکوڑیاں پسند بھی بہت تھیں۔ اس نے تھوڑی سی پکوڑیاں طشتری میں رکھیں اور پرکاش کو دینے لگی۔ پرکاش نے اسے دیکھتے ہی صندوق دھماکے سے بند کردیا اور تالا لگا کر اسے بہلانے کے لیے بولا: "طشتری میں کیا لائیں؟ آج نہ جانے کیوں مطلق بھوک نہیں لگی۔ پیٹ میں گرانی معلوم ہوتی ہے۔"

ایک دن ایک پھیری والا بساطی پرانی چابیاں بیچنے آنکلا۔ چمپا نے اس تالے کی چابی خرید لی اور صندوق کھول ڈالا۔ ارے یہ تو زیور ہیں۔اس نے ایک زیور نکال کر دیکھا۔ یہ کہاں سے آگئے! مجھ سے تو کبھی ان کے متعلق بات چیت نہیں کی۔معاً اس کے دل میں یہ خیال گذرا یہ زیورات ٹھاکر صاحب کے تو نہیں! چیزیں وہی تھیں جن کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ اسے اب کوئی شک نہیں رہا۔ لیکن اتنی بڑی شرم و ندامت سے اس کا سر جھک گیا۔اس نے ایک دم صندوق بند کردیا اور پلنگ پر لیٹ کر سوچنے لگی۔ ان کی اتنی ہمت پڑی کیسے؟ یہ کمینہ خواہش ان کے من میں آئی کیسے؟ میں نے تو کبھی زیوروں کے لیے انھیں تنگ نہیں کیا۔ ان کا ضمیر اتنا کم زور کیوں ہوگیا؟

اس دن سے چمپا کچھ اداس رہنے لگی۔ پرکاش سے وہ محبت نہ رہی، نہ وہ عزّت کا جذبہ، بات بات پر تکرار ہوجاتی۔ پہلے دونوں ایک دوسرے سے دل کی بات کہتے تھے۔مستقبل کے منصوبے باندھتے تھے، آپس میں ہم دردی تھی مگر اب دونوں میں کئی کئی دن تک آپس میں ایک بات بھی نہ ہوتی۔

کئی مہینے گزر گئے۔ شہر کے ایک بینک میں اسسٹنٹ مینیجر کی جگہ خالی ہوئی۔ پرکاش نے اکاؤنٹنٹ کا امتحان پاس کیا ہوا تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ نقد دس ہزار روپے کی ضمانت داخل کی جائے۔ اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے، پرکاش تڑپ تڑپ کر رہ جاتا۔

ایک روز ٹھاکر صاحب سے اس معاملے پر بات چیت چل پڑی ٹھاکر صاحب نے کہا: "تم کیوں نہیں درخواست بھیجتے؟"

پرکاش نے سر جھکا کر کہا: "دس ہزار کی نقد ضمانت مانگتے ہیں۔ میرے پاس روپے کہاں رکھے ہیں؟"

"اجی درخواست تو دو، اگر اور سب امور طے ہو جائیں تو ضمانت بھی دے دی جائے گی۔ اس کی فکر نہ کرو۔"

پرکاش نے حیران ہو کر کہا : ”آپ ضمانت داخل کردیں گے ؟“

”ہاں ہاں یہ کون سی بڑی بات ہے۔“

پرکاش گھر کی طرف چلا تو بڑا اُداس تھا۔ اس کو یہ نوکری ضرور ملے گی، مگر پھر بھی وہ خوش نہیں ہے۔ ٹھاکر صاحب کی صاف دلی اور ان کے اس پر اتنے زبردست اعتماد سے اسے دلی صدمہ ہورہا ہے۔

اس نے گھر آکر چمپا کو خوش خبری سنائی۔ چمپا نے سن کر منھ پھیر لیا، پھر ایک منٹ بعد بولی : ”ٹھاکر صاحب سے تم نے کیوں ضمانت دلوائی؟ آدمی کی نیت بھی تو ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی۔“

پرکاش سناٹے میں آگیا۔ اس نے چمپا کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ اس کے دل میں سوال پیدا ہوا۔ چمپا نے صندوق کھول کر کہیں دیکھ تو نہیں لیا؟ کھانے کے وقت پرکاش نے چمپا سے پوچھا : ”تم نے کیا سوچ کر کہاکہ آدمی کی نیت تو ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی ؟“ (جیسے اس کی زندگی اور موت کا سوال ہو۔)

چمپا نے آزردہ ہوکرکہا : ”کچھ نہیں میں نے دنیا کی بات کہی تھی۔ تم تو زبان پکڑتے ہو، ٹھاکر صاحب کے ہاں شادی میں ہی تم اپنی نیت ٹھیک نہ رکھ سکے۔اِن چھے مہینوں میں انھوں نے تمھارے ساتھ کیا کیا سلوک کیے۔ کچھ دیا ہی ہے ، مکان تم نے خود چھوڑا۔ لیکن وہ بیس روپے ماہ وار دیے جاتے ہیں۔علاقے سے کوئی سوغات آتی ہے، تمھارے ہاں ضرور بھیجتے ہیں۔ تمھارے پاس گھڑی نہ تھی، اپنی گھڑی تمھیں دے دی۔ تمھاری کہارن جب ناغہ کرتی ہے، خبر پاتے ہی اپنا نوکر بھیج دیتے ہیں۔ میری بیماری میں ڈاکٹر کی فیس انھوں نے ادا کی اور دن میں دو دفعہ پوچھنے آیا کرتے تھے۔ یہ ضمانت کی کیا چھوٹی بات ہے؟ اپنے رشتے داروں تک کی ضمانت جلدی سے کوئی دیتا ہی نہیں۔ تمھاری ضمانت کے لیے نقددس ہزار روپے نکال کردے دیے۔ اسے تم چھوٹی بات سمجھتے ہو ؟ آج تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو ان کے روپے تو ضبط ہوجائیں۔ جو آدمی ہمارے اوپر اتنی مہربانی کرے اس کے لیے ہمیں جان قربان کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“

پرکاش کھانا کھا کر لیٹا تو اس کا ضمیر اسے ملامت کررہا تھا۔ دل کی سیاہی اس وقت سامنے آتی ہے جب کوئی اسے ہمارے سامنے کھول کے رکھ دیتا ہے۔ تب ہمارے منھ سے نکل پڑتا ہے، افسوس ! چمپا کے ان ملامت آمیز الفاظ نے پرکاش کی انسانیت کو بیدار کردیا۔ وہ صندوق کئی گنا بھاری ہوکر پتھر کی طرح اسے دبانے لگا۔

پرکاش کو بینک میں ملازمت مل گئی۔ اس تقریب میں اس کے ہاں مہمانوں کی دعوت ہے۔ ٹھاکر صاحب، ان کی اہلیہ، وِیرانِدرَ اور اس کی نئی دُلھن بھی آئے ہوئے ہیں ۔ باہر یار دوست گا بجا رہے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد ٹھاکر صاحب چلنے کو تیار ہوئے۔

پرکاش نے کہا : ”آج آپ کو یہاں رہنا ہوگا۔ دادا میں اس وقت نہ جانے دوں گا۔“ چمپا کو اس کی یہ ضد بری معلوم ہوئی۔ چارپائیاں نہیں ہیں۔ بچھونے نہیں ہیں اور نہ کافی جگہ ہی ہے۔ رات بھر ان کو تکلیف دینے اور خود تکلیف اٹھانے کی کوئی ضرورت، اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ لیکن پرکاش برابر ضد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ٹھاکر صاحب راضی ہوگئے۔

بارہ بجے تھے، ٹھاکر صاحب اوپر سو رہے تھے اور پر کاش باہر برآمدے میں۔ تینوں عورتیں اندر کمرے میں تھیں۔ پرکاش جاگ رہا تھا۔ ویرو کے سرہانے چابیوں کا گچھا پڑا ہوا تھا، پرکاش نے گچھا اٹھالیا، پھر کمرہ کھول کر اس میں سے زیورات کا ڈبّا نکالا اور ٹھاکر صاحب کے گھر کی طرف چلا۔ کئی ماہ پیش تر وہ اسی طرح لرزتے ہوئے دل کے ساتھ ٹھاکر صاحب کے مکان میں گُھسا تھا۔ اس کے پاؤں تب بھی اسی طرح تھر تھرا رہے تھے لیکن تب کانٹا چبھنے کا درد تھا، آج کانٹا نکلنے کا تب بخار کا چڑھاؤ تھا حرارتِ اضطراب اور خلش سے پُر، اب بخار کا اتار تھا، سکون، فرحت اور اُمنگ سے بھرا ہوا، تب قدم پیچھے ہٹا تھا لیکن آج آگے بڑھ رہا تھا۔

ٹھاکر صاحب کے گھر پہنچ کر اس نے آہستہ سے کمرا کھولا اور اندر جاکر ٹھاکر صاحب کے پلنگ کے نیچے ڈبّا رکھ دیا، پھر فوراً باہر آکر آہستہ سے دروازہ بند کیا اور گھر لوٹ پڑا۔

ٹھاکر صاحب صبح تشریف لے گئے۔ پرکاش شام کو پڑھانے جایا کرتا تھا۔ آج وہ بے صبر ہو کر تیسرے پہر ہی جا پہنچا۔ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہاں آج کیا گُل کِھلتا ہے۔

وِیرِاندَر نے اسے دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا: ”بابو جی کل آپ کے ہاں کی دعوت بڑی مبارک تھی۔ جو زیورات چوری ہوگئے تھے سب مل گئے۔“

ٹھاکر صاحب بھی آگئے، اور بولے : ”بڑی مبارک دعوت تھی تمھاری۔ زیور کا پورا ڈبّا مل گیا۔ ایک چیز بھی نہیں گئی، جیسے امانت رکھنے کے لیے ہی لے گیا ہو۔ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ چوری کیا ہوا مال چھے ماہ بعد مل جائے اور جُوں کا تُوں۔“

ڈبّا کھول کر اس نے بڑی سنجیدگی سے دیکھا : ”تعجب کی بات ہے ۔۔۔میری عقل تو کام نہیں کرتی۔“

ٹھاکر : ”کسی کی عقل کچھ کام نہیں کرتی بھائی ! تمھاری ہی کیوں؟ وِیرُو کی ماں تو کہتی ہے کوئی غیبی معجزہ ہے۔ آج سے مجھے معجزات پر یقین ہوگیا۔“

پرکاش : ”اگر آنکھوں دیکھی بات نہ ہوتی تو مجھے یقین نہ آتا۔“

ٹھاکر : ”آج اس خوشی میں ہمارے ہاں دعوت ہوگی۔“

پرکاش : "آپ نے کوئی منتر ونتر تو نہیں پڑھوا لیا کسی سے ؟"

ٹھاکر : "کئی پنڈتوں سے۔"

پرکاش بولا : "تو بس یہ اسی کی برکت ہے۔"

گھر لوٹ کر پرکاش نے چمپا کو یہ خوش خبری سنائی۔ وہ نہ جانے کیوں رونے لگی، جیسے اس کا بچھڑا ہوا خاوند بہت مدّت کے بعد گھر آگیا ہو۔

پرکاش نے کہا : "آج ان کے ہاں ہماری دعوت ہے۔"

"میں بھی ایک ہزار بھوکوں کو کھانا کھلاؤں گی۔" چمپا نے کہا۔ "تم تو سیکڑوں کا خرچ بتلا رہی ہو۔" پرکاش بولا۔

"مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ لاکھوں روپے خرچ کرنے پر بھی ارمان پورا نہ ہوگا۔" چمپا بولی۔

پرکاش کی آنکھوں میں آنسو آگئے !

(ماخوذ از :زادِ راہ)

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) چندر پرکاش نے عملی زندگی کا آغاز کس طرح کیا ؟
(۲) کس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھاکر صاحب چندر پرکاش پر اعتماد کرتے تھے؟
(۳) چندر پرکاش کے ذہن میں بے ایمانی کا خیال کیسے آیا ؟
(۴) چندر پرکاش نے ٹھاکر صاحب کا گھر کیوں چھوڑا ؟
(۵) ٹھاکر صاحب کے چندر پرکاش پر کسی ایک احسان کی تفصیل بتائیے۔
(۶) چندر پرکاش اور اُس کی بیوی کے کرداروں کا تقابل کیجیے۔
(۷) چمپا کو ایسا کیوں محسوس ہوا کہ اس کا بچھڑا ہو خاوند بہت مدت کے بعد گھر آیا ہے؟
(۸) افسانہ نگار نے زندگی میں سچّی خوشی حاصل کرنے کا کیا طریقہ بتایا ہے؟

سوال نمبر۲ : درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالۂ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) ”پہلے دونوں مستقبل کے منصوبے باندھتے تھے، آپس میں ہم دردی تھی مگر اب دونوں میں کئی کئی دن تک آپس میں بات بھی نہ ہوتی۔“

(ب) ”اس کے پاؤں تھرتھرا رہے تھے لیکن تب کانٹا چبھنے کا درد تھا، آج کانٹا نکلنے کا سکون، فرحت اور امنگ سے بھرا ہوا، تب قدم پیچھے ہٹا تھا لیکن آج آگے بڑھ رہا تھا۔“

سوال نمبر۳: افسانے ”زیور کا ڈبّا“ کی تلخیص تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۴: افسانے ”زیور کا ڈبّا“ کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر۵ : کیا یہ افسانہ آپ کے شعور میں اضافے کا سبب بنا؟ کیسے ؟

سوال نمبر۶ : آپ کو اس افسانے کے کس کردار نے متاثر کیا اور کیوں ؟

سوال نمبر۷ : ذیل کے الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

صلاح	خستہ حال	اُڑا لینا	کارستانی	دوڑ دھوپ
لحاظ	جواب دہی	دھوم دھام	ضمیر	گُل کھلنا

سوال نمبر۸ : درج ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے:

شیریں	امانت	انسانیت	محتاج	ستم

سوال نمبر۹ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) چندر پرکاش کو رہنے کے لیے مکان دیا:
(الف)خان صاحب نے (ب)ٹھاکر صاحب نے (ج)شیخ صاحب نے (د)مرزا صاحب نے

(۲) ٹھاکر صاحب کے بیٹے کا نام تھا:
(الف)کرشن (ب)درشن (ج)ویراندر (د)ویراد

(۳) زیورات کی مالیت تھی:
(الف)چار ہزار روپے (ب)پانچ ہزار روپے (ج)چھے ہزار روپے (د)سات ہزار روپے

(۴) پرکاش سے بینک والے ضمانت مانگ رہے تھے:
(الف)پانچ ہزار کی (ب)دس ہزار کی (ج)بیس ہزار کی (د)تیس ہزار کی

(۵) ”زبان پکڑنا“ ہے:
(الف)مثال (ب)تشبیہ (ج)روزمرّہ (د)محاورہ

سرگرمیاں

- طلبہ کمرۂ جماعت میں پرکاش کے کردار کی خوبیوں اور خامیوں پر بحث کریں گے۔
- طلبہ مختصر لیکچر کی شکل میں اِس افسانے کے کسی ایک فکری یا فنی پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔
- طلبہ افسانے میں موجود روزمرّہ اور محاورے تلاش کریں گے۔

افسانہ : افسانے سے مراد ایسی مختصر کہانی جو ایک نشست میں پڑھی جا سکے اور اس میں زندگی کے کسی ایک پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو۔ افسانے کے فن میں پلاٹ، کردار، زمان و مکاں، مرکزی خیال اور اسلوب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اردو میں افسانہ انگریزی زبان و ادب کے وسیلے سے آیا ہے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو افسانے کی صنف کے بارے میں بتائیے۔
- طلبہ کو بتائیے کہ فکشن کی مختلف اصناف ہماری زندگی کی عکاس ہوتی ہیں اور اُن میں بیانیہ یا علامتی پیرائے میں زندگی کی تنقید بھی موجود ہوتی ہے۔
- طلبہ کو اس افسانے میں موجود زبان و بیان کی خوبیاں بتائیے۔
- طلبہ کو روزمرّہ، محاورے اور ضرب المثل کا فرق سمجھائیے۔

احمد ندیم قاسمی (احمد شاہ)

- پیدائش : ۲۰ - نومبر ۱۹۱۶ء انگہ (پنجاب)
- وفات: ۱۰ - جولائی ۲۰۰۶ء لاہور
- تصانیف : چوپال، بگولے، برگِ حنا، آبلے، سیلاب، طلوع و غروب، نیلا پتھر

بابا نُور

حاصلاتِ تعلُّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ : (۱) بات درمیان سے سُن کر سیاق و سبق سمجھیں اور موضوع سمجھا سکیں۔ (۲) کسی نثر پارے کو سُن کر اس میں پوشیدہ/موجود محاسن بیان کرسکیں۔ (۳) روزمرّہ زندگی میں اردو زبان کو اظہار و ابلاغ کے لیے استعمال کرسکیں۔

''کہاں چلے بابا نور؟'' ایک بچّے نے پوچھا۔

''بس بھئی، یہیں ذرا ڈاک خانے تک۔'' بابا نور بڑی ذمے دارانہ سنجیدگی سے جواب دے کر آگے نکل گیا اور سب بچے کِھل کِھلا کر ہنس پڑے۔

صرف مولوی قدرت اللہ چپ چاپ کھڑا بابا نور کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ بولا: ''ہنسو نہیں بچو۔ ایسی باتوں پر ہنسا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے پروا ہے۔''

بچے خاموش ہو گئے اور جب مولوی قدرت اللہ چلا گیا، تو ایک بار پھر سب کِھل کِھلا کر ہنس پڑے۔ بابا نور نے مسجد کی محراب کے پاس رک کر جوتا اتارا، ننگے پاؤں آگے بڑھ کر محراب پر دونوں ہاتھ رکھے، اسے ہونٹوں سے چوما، پھر اسے باری باری دونوں آنکھوں سے لگایا، الٹے قدموں واپس ہو کر جوتے پہنے اور جانے لگا۔

بچّے یوں اِدھر اُدھر کی گلیوں میں کھسکنے لگے جیسے ایک دوسرے سے شرما رہے ہوں۔

بابا نور کا سارا لباس دھلے ہوئے سفید کھدر کا تھا۔ سر پر کھدر کی ٹوپی جو سر کے بالوں کی سفیدی سے گردن تک چڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی سفید داڑھی کے بال تازہ تازہ کنگھی کی وجہ سے خاص ترتیب سے سینے پر پھیلے ہوئے تھے۔گورے رنگ میں زردی نمایاں تھی،چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی پتلیاں اتنی سیاہ تھیں کہ بالکل مصنوعی معلوم ہوتیں۔ لباس، بالوں اور جلد کی اتنی بہت سی سفیدی میں یہ دو کالے بھونرا نقطے بہت

اجنبی سے لگتے۔ لیکن یہی اجنبیت بابا نور کے چہرے پر بچپنے کی سی کیفیت طاری رکھتی تھی۔ اس کے کندھے پر سفید کھدر کا ایک رومال تھا جو لوگوں کے ہجوم سے لے کر مسجد کی محراب تک تین چار بار کندھا بدل چکا تھا۔

"ڈاک خانے چلے بابا نور؟" دکان کے دروازے پر کھڑے ایک نوجوان نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا، جیتے رہو۔" بابا نور نے جواب دیا۔

قریب ہی ایک بچّہ کھڑا تھا۔ تڑاخ سے تالی بجا کر چِلّایا، "آہاہا، بابا نور ڈاک خانے چلا۔"

"بھاگ جا یہاں سے۔" نوجوان نے بچے کو گُھرکا۔

اور بابا نور جو کچھ دور گیا تھا، پلٹ کر بولا، "ڈانٹ کیوں رہے ہو بچّے کو۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔ ڈاک خانے ہی تو جا رہا ہوں۔"

دور دور سے دوڑ دوڑ کر آتے ہوئے بچے بے اختیار ہنسنے لگے اور بابا نور کے پیچھے ایک جلوس مرتّب ہونے لگا، مگر آس پاس سے نوجوان لپک کر آئے اور بچوں کو گلیوں میں بکھیر دیا۔

بابا نور اب گاؤں سے نکل کر کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔ پگ ڈنڈی مینڈ مینڈ جاتی ہوئی اچانک ہرے بھرے کھیتوں میں اترتی، تو بابا نور کی رفتار میں بہت کمی آجاتی۔ وہ گندم کے نازک پودوں سے پاؤں، ہاتھ اور چولے کا دامن بچاتا ہُوا چلتا۔ اگر کسی مسافر کی بے احتیاطی سے کوئی پودا پگڈنڈی کے آر پار کٹا ہوا ملتا، تو بابا نور اسے اٹھا کر دوسرے پودوں کے سینے سے لپٹا دیتا اور جس جگہ سے پودے نے خم کھایا تھا، اسے کچھ یوں چھوتا جیسے زخم سہلا رہا ہے۔ پھر وہ کھیت کی مینڈ پر پہنچ کر تیز تیز چلنے لگتا۔

چار کسان پگڈنڈی پر بیٹھے حقّے کے کش لگا رہے تھے۔ ایک لڑکی گندم کے پودوں کے درمیان سے کچھ اس صفائی سے درانتی سے گھاس کاٹتی پھر رہی تھی کہ مجال ہے جو کسی پودے پر خراش آجائے۔ بابا نور ذرا سا رک کر لڑکی کو دیکھنے لگا۔ وہ گھاس کی دستی کاٹ کے ہاتھ پیچھے لے جاتی۔ گھاس پیٹھ پر لٹکی گٹھڑی میں ڈال، پھر درانتی چلانے لگتی۔

"بھئی کمال ہے۔" بابا نور نے دور ہی سے کسانوں کو مخاطب کیا۔ "یہ لڑکی تو بالکل مداری ہے۔ اتنی لمبی درانتی چلا رہی ہے۔ چپّے چپّے پر گندم کا پودا اُگ رہا ہے لیکن درانتی گھاس کاٹ لیتی ہے اور گندم کو چھوتی تک نہیں۔ یہ کس کی بیٹی ہے؟"

"کس کی بیٹی ہے بیٹا؟" بابا نے لڑکی سے پوچھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، تو ایک کسان کی آواز آئی،

”میری ہے بابا۔“

”تیری ہے ؟“ بابا نور کسانوں کی طرف جانے لگا۔ ”بڑی سیانی ہے، بڑی اچھی کسان ہے۔ خدا حیات لمبی کرے۔“
”آج کہاں چلے بابا ؟“ لڑکی کے باپ نے پوچھا۔ ”ڈاک خانے ؟“ دوسرے نے پوچھا۔

”ہاں۔“ بابا نور ان کے پاس ذرا سا رک کر بولا، ”میں نے کہا پوچھ آؤں شاید کوئی چٹّھی وٹّھی آئی ہو۔“

چاروں کسان خاموش ہوگئے۔ انھوں نے ایک طرف ہٹ کر پگڈنڈی چھوڑ دی اور بابا نور آگے بڑھ گیا۔ ابھی وہ کھیت کے پرلے سرے پر پہنچا ہی تھا کہ لڑکی کی آواز آئی، ”لسی پیوگے بابا نور ؟“

بابا نور نے مڑ کر دیکھا اور گاؤں سے نکلنے کے بعد پہلی بار مسکرایا۔ ”پی لوں گا بیٹا۔“ پھر ذرا رک کر بولا : ”پر دیکھ ذرا جلدی سے لادے ۔ڈاک کا منشی ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتا ہے، چلا نہ جائے۔“

لڑکی نے گھاس کی گٹھڑی کندھے سے اتار وہیں کھیت میں رکھی۔ پھر وہ دوڑ کر مینڈ پر اُگی ایک بیری کے پاس آئی۔ تنے کی اوٹ میں پڑے برتن کو خوب چھلکایا، ایلومونیم کا کٹورا بھرا اور لپک کر بابا نور کے پاس جا پہنچی۔

بابا نے ایک ہی سانس میں سارا کٹورا پی کر رومال سے ہونٹ صاف کیے، بولا : ”نصیبہ اس لسّی کی طرح صاف ستھرا ہو بیٹا۔“ اور آگے بڑھ گیا۔

مدرسے کے برآمدے میں ڈاک کا منشی بہت سے لوگوں کے درمیان بیٹھا روزانہ کے فارم پُر کر رہا تھا۔ وہ دیہاتیوں کو معلومات سے بھی مستفید کرتا رہتا، ”میرا سالا وہاں کراچی میں چپراسی کا کام کرتا تھا۔جب وہ مرا، تو مجھے فاتحہ پڑھنے کراچی جانا پڑا۔

بات یہ ہے دوستو ! کہ ایک بار کراچی ضرور دیکھ لو، چاہے وہاں گدھا گاڑی میں جُتنا پڑے۔ اتنی موٹر کاریں ہیں کہ ہمارے گاؤں میں تو اتنی چڑیاں بھی نہیں ہوں گی۔ ایک سیٹھ کہہ رہا تھا کہ بس ایک اور بڑی لام لگ جائے، تو کراچی ولایت بن جائے ۔ کہتے ہیں کتنی بار لام لگنے لگی پر لگتے لگتے رہ گئی ۔ کوئی نہ کوئی بیچ میں ٹانگ اڑا دیتا ہے۔ کہتے ہیں لام میں لوگ مریں گے۔ کوئی پوچھے لام نہ لگی، تو جب بھی تو لوگ مریں گے۔ لام میں گولے سے مریں گے، ویسے بھوک سے مر جائیں گے۔ ٹھیک ہے نا۔“

”ٹھیک ہی تو ہے ۔“ ایک دیہاتی بولا۔ ”پر منشی جی پہلے یہ بتاؤ کہ لفافہ اکنّی کا کب کروگے ؟“ منشی نے اسے کچھ سمجھانے کے لیے سامنے دیکھا تو اس کی نظر ایک نقطے پر جیسے جم کر رہ گئی۔ اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ بجھی ہوئی آواز میں بولا: ”بابا نور آ رہا ہے۔“ سب لوگوں نے پلٹ کر دیکھا اور پھر سب کے چہرے کملا گئے۔

بچے مدرسے کے دروازوں اور کھڑکیوں میں جمع ہو کر "بابا نور۔ بابا نور۔" کی سرگوشیاں کرنے لگے۔ منشی نے انھیں ڈانٹ کر اپنی اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ سفید براق بابا نور سیدھا مدرسے کے برآمدے کی طرف آ رہا تھا اور لوگ جیسے سہمے جا رہے تھے۔

برآمدے میں پہنچ کر اس نے کہا: "ڈاک آگئی منشی جی؟"

"آگئی بابا۔" منشی نے جواب دیا۔

"میرے بیٹے کی چٹھی تو نہیں آئی؟" بابا نے پوچھا۔

"نہیں بابا۔" منشی بولا۔

بابا نور چپ چاپ واپس چلا گیا۔ دور تک پگڈنڈی پر ایک سفید دھبّا رینگتا ہوا نظر آتا رہا اور لوگ دم بہ خود بیٹھے اسے دیکھتے رہے۔

پھر منشی بولا: "دس سال سے بابا نور اسی طرح آرہا ہے۔ یہی سوال پوچھتا اور یہی جواب لے کر چلا جاتا ہے۔ بے چارے کو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ سرکار کی وہ چٹھی بھی تو میں نے ہی اسے پڑھ کر سنائی تھی۔ اس میں خبر تھی کہ بابا کا بیٹا برما میں بم کے گولے کا شکار ہو چکا۔ جب سے وہ پاگل سا ہو گیا ہے۔ مگر خدا کی قسم ہے دوستو! اگر آج کے بعد وہ پھر میرے پاس یہی پوچھنے آیا، تو مجھے بھی پاگل کر جائے گا۔"

(ماخوذ از: بازارِ حیات)

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) بابا نور ڈاک خانے کے چکّر کیوں لگاتا تھا؟

(ب) بابا نور نے کھیت میں کام کرتی لڑکی کی کیوں تعریف کی؟

(ج) بابا نور کا افسانے میں بیان کردہ حلیہ اپنے الفاظ میں لکھیے؟

(د) کس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بابا نور کے کردار میں معصومیت، درد مندی اور خیر خواہی کے عناصر موجود تھے؟

(ہ) اِس افسانے کا انجام ہماری فکر اور احساس پر کیا اثرات مرتّب کرتا ہے؟

(و) کن باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک دیہاتی ماحول کا افسانہ ہے ؟

سوال نمبر۲ : درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالۂ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) پھر وہ بولا : "ہنسو نہیں بچّو، ایسی باتوں پر ہنسا نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی ذات بے پروا ہے۔"

(ب) "بابا نور جو کچھ دور گیا تھا، پلٹ کر بولا، ڈانٹ کیوں رہے ہو بچے کو۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔ ڈاک خانے ہی تو جارہا ہوں۔"

(ج) "اُس کا رنگ فق ہوگیا اور وہ بجھی ہوئی آواز میں بولا بابا نور آرہا ہے۔"

سوال نمبر۳ : اس افسانے کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۴ : اس افسانے کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر۵ : بابا نور جیسے کسی حقیقی کردار کے بارے میں چند واقعات پر مشتمل مختصر کہانی لکھیے۔

سوال نمبر۶ : درج ذیل واحد الفاظ کی جمع لکھیے:

کیفیت	مسجد	کمال	مدرسہ	قدم

سوال نمبر۷ : ذیل کے الفاظ و تراکیب اور محاورے جملوں میں استعمال کیجیے:

اجنبیت	پگڈنڈی	دامن بچانا	زخم سہلانا	دم بہ خود
رنگ فق ہونا	نصیبہ	مستفید کرنا	سرگوشیاں	ہوا کے گھوڑے پرسوار رہنا

سوال نمبر۸ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) بابا نور دس سال سے جاتا تھا:

(الف) اَسٹیشن (ب)ڈاک خانے (ج)اسکول (د)بازار

(۲) سفید کھدر کا رومال تھا بابا نور کے:

(الف) سر پر (ب) گھر پر (ج)کندھے پر (د)ناک پر

(۳) لڑکی گندم کے کھیت میں کاٹ رہی تھی:

(الف) سبزی (ب)چارہ (ج)لکڑیاں (د)گھاس

(۴) لڑکی نے بابا نور کے لیے کٹورا بھرا:

(الف)لسّی کا (ب)پانی کا (ج)شربت کا (د)دودھ کا

(۵) "بابا نور" احمد ندیم قاسمی کا تحریر کردہ ہے:

(الف) ناول (ب)ناولٹ (ج)افسانہ (د)رپورتاژ

سرگرمیاں

- طلبہ کمرۂ جماعت میں باری باری بتائیں گے کہ اُنھیں اس افسانے نے کس نئے جذبے یا احساس سے آشنا کیا۔
- طلبہ کمرۂ جماعت میں روزمرّہ زندگی سے متعلق کسی موضوع پر چار سے پانچ منٹ کی گفتگو میں حصّہ لیں گے۔

برائے اساتذہ

- اس افسانے کا کوئی منتخب حصّہ طلبہ سے پڑھوائیے اور اُنھیں قرأتِ متن کے اصول بتائیے۔
- طلبہ کو بتائیے کہ تمام نثری اصنافِ ادب میں افسانے کا امتیاز کیا ہے۔
- طلبہ کو کہانی سننے سنانے کے دل چسپ مشغلے کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ کیجیے۔
- طلبہ کو بتائیے کہ افسانہ شعور کی ترقی اور ہماری فکری و اخلاقی تربیت میں کیا کردار ادا کرسکتا ہے۔

غلام ربانی آگرو

پیدائش : ۵ - نومبر ۱۹۳۳ء نوشہرو فیروز
وفات : ۱۸ - جنوری ۲۰۱۰ء حیدرآباد
تصانیف : سندھ کے بچّے، جیسے پھول گلاب کے، آبِ حیات، سندھ کے دریا، میدان اور پہاڑ

آبِ حیات

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ : (۱) علمی یا ادبی گفتگو سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔(۲) تحریروں کو علمی، ادبی حوالوں سے سمجھ کر پڑھ سکیں۔ (۳) درسی متن کو سمجھ کر استحسانی سوالات کا جواب تحریر کرسکیں۔ (۴) ادبی مطالعے کا ذوق رکھتے ہوئے اردو کتب کا انتخاب کرسکیں۔ (۵) کہانی، انشائیہ یا مضمون وغیرہ لکھ سکیں۔

ڈھلتی شام کے وقت نہانے کی غرض سے جب میں دریا پر پہنچا تو شفق کی نیم روشن، سرخ شعاعوں کی وجہ سے دریا کا پانی سونے اور چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ اسی سونے چاندی کی سطح پر چھوٹی بڑی کشتیاں تیر رہی تھیں اور ان کے مدھم ہوتے سائے پانی کی لہروں پر ہلکے ہلکے رقص کررہے تھے۔ میں نے ایک ملاح سے کہا : ”مجھے کچھ دور ہی جانا ہے۔“

”بسم اللہ، ابھی لو۔“ ملاح نے بہت پھرتی سے جواب دیا۔

میں پھلانگ کر کشتی میں سوار ہوا اور تھیلا برابر رکھ کر بیٹھ گیا۔

ملاح نے رسّے کھول دیے تو کشتی دریا کی لہروں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

”ابھی تو ساون بھادوں بھی نہیں پھر بھی دریا میں اتنا پانی ! “ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا بات پوچھ لی!“ ملاح چپّو چلاتے ہوئے بولا : ”ابھی تو موسم بدلا ہے۔ مگر جب سخت سردی میں دوسرے دریا خشک ہوجاتے ہیں تب بھی اس دریا میں پانی کی فراوانی دیکھنے جیسی ہوتی ہے۔“

”دریا کی چوڑائی بھی خوب ہے۔ ایک میل تو ہوگی!“ میں نے دریا کے دونوں کناروں اور پانی کی گہرائی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

ملاح بولا : ”سائیں سب نام کی برکت ہے۔“

”وہ کیسے بھلا ؟“ میں بولا۔

”آپ پڑھے لکھے ہیں اسی لیے ان باتوں پر یقین نہیں کریں گے۔ مگر ہمارا عقیدہ ہے کہ ’مہران‘ سندھ کے ایک شہزادے کا نام تھا۔ اسی کے نام پر اس دریا کا نام ’مہران‘ رکھا گیا۔ شہزادے مہران جیسا سخی، رحم دل، خدا ترس اور عقل مند کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا، مگر کہتے ہیں کہ بچپن میں وہ بہت ضدی اور مغرور ہوتا تھا

کیوں کہ اس جیسا حسین و جمیل کوئی دوسرا ملک میں نہیں تھا۔"

"سن رہے ہو نا ؟" ملاح نے مجھے پانی کو گھورتے دیکھ کر پوچھا۔

"میں تمھاری ہی باتیں سن رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا، ملاح نے اپنی بات دوبارہ شروع کی۔

ایک دن شہزادہ مہران اپنے ہم عمر دوستوں کے ساتھ شکار کھیلنے گیا۔ وہ سارا دن گھوڑے دوڑاتے رہے، میلوں سفر طے کیا مگر شکار ہاتھ نہ لگا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور وہ پہاڑ کے قریب پہنچے جہاں ہمیشہ کوئی نہ کوئی شکار مل ہی جاتا تھا۔ پہاڑ کی نچلی طرف ایک ہرن گھاس چر رہا تھا۔ اچانک شہزادے مہران کی نظر ہرن پر پڑ گئی۔ اتنے میں ہرن چھلانگ مار کر بھاگ گیا۔ شہزادے نے بھی اپنا گھوڑا ہرن کے پیچھے لگا دیا۔ کچھ دیر تک گھوڑا اور ہرن ہوا سے باتیں کرتے رہے۔ پھر شہزادے نے عقل سے کام لیتے ہوئے بہت پھرتی سے تیر پھینکا، تیر سیدھا ہرن کی ٹانگ میں لگا اور ہرن وہیں ڈھیر ہو گیا۔ شہزادے نے گھوڑے سے اتر کر چھری ہرن کی گردن پر رکھ دی، ذبح کرتے وقت شہزادے کے ہاتھ کانپنے لگے۔ اتنے میں شہزادے کے ساتھی بھی آن پہنچے جو شہزادے کے ہاتھ کانپتے دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے۔ اُن میں سے ایک نے شہزادے سے چُھری لے کر ہرن کو حلال کیا، پھر شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا: "جب لوگوں پر چھری چلتی ہے اُس وقت تو آپ کو جُنبش تک نہیں ہوتی، آج ایک جان ور کو ذبح کرتے وقت اتنا ڈر ۔۔۔" شہزادہ بولا: "اس سوال کا جواب بعد میں دوں گا، ابھی چلو رات کے چار پہر گزارنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کریں۔ چاند پتا نہیں کس وقت نکلے گا اور اس اندھیرے میں پیچھے جانا بھی مشکل ہے۔"

"بلکہ حماقت ہے۔" وزیر زادے نے کہا جو اَب تک گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔ "قریب کوئی آبادی بھی نظر نہیں آرہی ہے پہاڑ کے قریب ہی کسی جگہ پر ٹھہر کے ہرن کی تکّا بوٹی کرتے ہیں۔"

"واہ کیا بات ہے !" شہزادے نے جواب دیا پھر تینوں نے ایک سائے بان کے نیچے اپنی زنبیلیں رکھیں اور پڑاؤ ڈالا۔ برابر میں گھوڑے باندھ دیے۔ ایک لگا ہرن کو چھیلنے تو دوسرا لگا دھونی جگانے۔ کھانا کھاتے وقت شہزادہ اپنے دوستوں سے کہنے لگا: "جس وقت میں ہرن کی گردن پر چھری پھیرنے لگا تو اُس وقت میری آنکھیں ہرن کی آنکھوں سے ٹکرائیں ! کیا بتاؤں کہ میں نے ہرن کی آنکھوں میں کیا دیکھا ؟ ہرن کی آنکھیں اتنی خوب صورت ہوتی ہیں جیسے نرگس کے پھول اور اتنی چمک دار جیسے آسمان میں تارے ! مگر اس وقت جب چھری ہرن کی گردن پر تھی تب اس کی آنکھوں میں نہ تو نرگس کے پھولوں جیسی خوب صورتی تھی اور نہ ہی تاروں جیسی چمک۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں صرف موت کا سایہ تھا۔"

"موت کا سایہ !" اس کے دوستوں کی چیخیں نکل گئیں۔

"ہاں۔" شہزادے نے بھرائی ہوئی آواز میں آہستہ سے کہا: "میری آنکھوں نے آج موت کا سایہ دیکھا اور میرے کانوں نے مرتے ہوئے ہرن کی آواز سُنی۔" جیسے کہہ رہا ہو: "شہزاے ایک دن تمھاری بھی باری آئے گی، پانی کا ڈوبا کتنی دیر تک اپنا بچاؤ کرے گا۔"

شہزادہ کہہ کر چُپ ہوگیا اور پھر کچھ دیر بعد کہا: ”کیا آپ میں سے کسی کے پاس اس سوال کا جواب ہے ؟“

دونوں آدمی چپ رہے۔ کچھ دیر بعد وزیر زادہ بولا : ”شہزادے موت طعنہ نہیں ہے، طعنہ دینا یا شکوہ کرنا تو زندگی سے وابستگی کی باتیں ہیں۔“ شہزادہ بولا : ”موت تو ہر چیز کا خاتمہ ہے۔ تقدیر برابر اپنا کام کرتی ہے مگر تدبیر کرنا انسان کے بس میں ہے۔“ وزیرزادہ بولا : ”موت سے کوئی بھی تدبیر بچا نہیں سکتی۔“ شہزادے نے جواب دیا: ”کیوں ؟ کیسے ؟“

وزیر زادہ بولا : ”میرے والد نے مجھے بتایا ہے کہ جب سکندر بادشاہ اس ملک میں آیا تو ایک جوگی نے اسے بتایا کہ جس پہاڑ پر ہم بیٹھے ہیں اس میں ایک غار ہے۔ اس غار میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی اتنا خوش بو دار ہے جیسے کیوڑے کا شربت اور اتنا میٹھا ہے جیسے آم اور شہد۔ اس کی رنگت دُودھیا ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کے دوگھونٹ سو برس کے بوڑھے کو سولہ سال کا جوان بنا دیتے ہیں۔ اور اسے ابدی حیات مل جاتی ہے، اور موت اس انسان کے لیے بے معنی ہوجاتی ہے۔ اس پانی کا نام ہے، ’آبِ حیات‘۔“

سکندر بادشاہ نے یہ سن کر مُصمّم ارادہ کر لیا کہ ایک بار ضرور ’آبِ حیات‘ کی تلاش میں جاؤں گا پھر ایک رات اپنے دو وزیروں خضر اور الیاس کو ساتھ لے کر لشکر کی چھاؤنی سے باہر نکلا اور پہاڑ کی طرف بڑھا، جوگی کے کہنے کے مطابق پہاڑ پر گھوڑا اُس وقت چڑھایا جب چاند آسمان کے درمیان میں آگیا۔ پہاڑ پر کچھ دیر پیدل چلنے کے بعد اُسے دو سوکھے درخت نظر آئے، جن کے بیچوں بیچ وہ غار تھا۔ گھوڑے باہر باندھ کر تینوں غار کے اندر داخل ہوگئے۔ غار کے باہر اتنی چاندنی تھی کہ بہ آسانی سُوئی کے ناکے میں دھاگا ڈالا جاسکے اور غار کے اندر اتنا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دے۔ ایسے ہی گرتے پڑتے آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ خضر نے ایک عقل مندی کا کام کیا کہ ایک زندہ مچھلی اپنے ساتھ لے لی۔ وہ بہت دیر تک غار میں پیدل چلتا رہا۔ اچانک مچھلی اچھل کر نیچے جا گری اور گرتے ہی ایسی آواز آئی جیسے کوئی چیز پانی میں گری ہو۔ خضر نے دو قدم اٹھائے تو پیر گیلے ہوگئے۔ جھک کر نیچے دیکھا تو اس کے آگے آبِ حیات سچے موتیوں کی مانند چمک رہا تھا !

ہاتھوں کا پیالہ بناکر خوشی خوشی پیا۔ آبِ حیات جیسے ہی حلق سے اُترا تو اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اچانک نیند سے بیدار ہوا ہو۔ وہیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنی جب آنے والا شخص قریب ہوا تو آواز سے پہچانا کہ وہ الیاس تھا۔ پھر تو دونوں نے سیر ہوکر آبِ حیات پیا اور ابدی زندگی حاصل کی۔ سکندر اندھیرے میں دھکّے کھاتا ہوا واپس چلاگیا، اور یہ دونوں غار سے نکل کر اپنی اپنی راہ چل دیے، آج جب بھی کوئی راہ گیر خشکی یا تری میں راستہ بھٹک جاتا ہے تو یہ اس کی راہ نمائی کرتے ہیں۔

وزیر زادے نے بات پوری کی تو شہزادہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور گھوڑے پر لگام ڈال کر کہنے لگا : ”سیکڑوں سال پہلے سکندر نے اپنا نصیب آزمایا تھا اور آج میری باری ہے۔ آپ میں سے کوئی ساتھ چلے تو ٹھیک ہے

ورنہ کسی سے کوئی گِلہ نہیں۔
اس کے دوست سٹپٹاگئے اور اسے سمجھانے لگے کہ سنی سنائی باتوں پر ایسے اعتبار کرنا سراسر نادانی ہے۔ مگر شہزادے نے ایک نہ سنی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ توکُّل پہاڑ کی جانب رُخ کیا اور چاند کو دیکھتے ہوئے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ جب چاند آسمان کے درمیان آیا تو گھوڑا پہاڑ کی جانب چڑھایا، کچھ دیر پیدل چلا تو دو سوکھے درخت نظر آئے جن کی ٹہنیاں اور شاخیں کئی برس پہلے بارش اور طوفان نے گرادی تھیں۔ اب صرف تنے رہ گئے تھے۔ شہزادے نے گھوڑا ایک درخت سے باندھا اور غار کے منھ سے گھاس پھوس، تنکے ہٹاکر اندر داخل ہوگیا۔ اندر اس قدر اندھیرا تھا کہ دلیر انسان کا بھی کلیجا پھٹ جائے۔ مگر شہزادہ مہران آگے بڑھتا رہا۔ اس کے قدموں سے پتھروں پر ایسی آوازیں پیدا ہورہی تھیں جیسے بارش کے قطرے کسی تانبے کے برتن میں "چھن چھنا چھن چھن" گررہے ہوں۔ کچھ دیر پیدل چلنے کے بعد ایسی آہٹ سنی کہ چونک کر رک گیا۔ فضا کی خاموشی میں صرف شہزادے کی سانسوں کی آواز تھی۔ ابھی دو قدم ہی بڑھائے تھے کہ پھر آواز ہوئی۔ شہزادے کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ کیوں کہ آواز ایسی ہی تھی جیسے کوئی چیز پانی میں ہو۔ آواز کی کھوج لگاتا آگے بڑھتا گیا کہ اچانک اس کے قدم جم گئے، آگے آبِ حیات کا چشمہ چمک رہا تھا۔ چشمے کے کنارے پر ایک مچھلی منھ نکال کر اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ مچھلی کے چھلکے ہاتھی کے دانت سے زیادہ سفید، چمک دار اور آنکھیں سرخ مرجان جیسی تھیں۔
"خوش آمدید، شہزادے مہران۔" مچھلی نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔ شہزادہ حیرت میں پڑ گیا۔

"میں نے کہا خوش آمدید شہزادے مہران۔" مچھلی نے اپنی کلیوں کو سمیٹتے ہوئے دوبارہ کہا۔

شہزادہ خوش آمدید کا جواب دیتے ہوئے بولا: "تم یہاں ----؟"

"میں یہاں کیسے اور کب سے ہوں؟ یہی پوچھنا چاہتے ہو نا؟"

"جی۔" شہزادے نے کھڑے کھڑے جواب دیا۔

"میں یہاں تب سے ہوں جب خضر کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گری تھی مجھے یہاں رہتے ہوئے کئی سو صدیاں گزر گئی ہیں، ایک دفعہ جو آبِ حیات پی لیا تو اب جینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔"

"چارہ نہیں۔" شہزادہ بولا۔

"ہاں شہزادے، چارہ نہیں! کیوں؟ تمھیں یہ الفاظ کیوں عجیب لگے؟ کیسے؟ مگر پھر ---- دل کی بات کہنے کے لیے مجھے یہی الفاظ مناسب لگے، شہزادے بیٹھو۔ کئی دنوں کے بعد آج کسی جان دار کا منھ دیکھا ہے۔ میرے پاس آؤ تو ذرا تم سے دوچار باتیں کرلوں مگر یہ پانی بالکل مت پینا۔"

"پانی ---- یہ تو ----"

"ہاں یہی تو ہے وہ 'آبِ حیات' جس کی تلاش میں تم یہاں آئے ہو اور یہی وہ آبِ حیات ہے

جس کا لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور آسمانی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ آج اس کے دو گھونٹ تمھیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت کے ذائقے سے محروم کردیں گے اور اس کا ایک قطرہ تمھیں سولہ سال کا جوان بناسکتا ہے۔ اور سو برس کے بڑھاپے کا دائمی عذاب بھی دے سکتا ہے۔

"سو برس کے بڑھاپے کا دائمی عذاب !"

"جی ہاں ! سو برس کے بڑھاپے کا دائمی عذاب۔"

مچھلی پانی میں غوطہ لگاکر کچھ دیر بعد باہر نکلی۔ شہزادے کی طرف منہ کرکے کہنے لگی : "ہاں ایسے ہی ہے۔" شہزادے ! اس آب حیات کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جس شخص نے لوگوں کو بلاوجہ تنگ کیا ہو، ان کا دل دکھایا ہو، اُس کو آبِ حیات کا ایک قطرہ ابدی زندگی تو عطا کر دے گا، مگر ایسی جیسی سو برس کا ضعیف جو نہ زندوں میں ہوگا نہ مُردوں میں، جیسے بچھو جو ہر کسی کو صرف ڈنک مارتا ہے اور جیسے جھاؤ چوہا جس کو چھونے سے صرف کانٹے ہی لگتے ہیں۔" "اور اگر۔۔۔۔" مچھلی شہزادے کا سوال سمجھ گئی اور جواب دیا، "اور اگر کسی شخص نے ہمیشہ سچ بولا ہو، کم زوروں پر رحم کیا ہو تو آبِ حیات کا ایک قطرہ اس شخص کو ابدی زندگی عطا کرے گا جیسی مور کی، جو سارے پرندوں میں خوب صورت ہوتا ہے اور جیسی قطب تارے کی، جو ہمیشہ چمکتا رہتا ہے۔"

شہزادہ سوچ میں پڑگیا۔ مچھلی پھر کہنے لگی: "شہزادے ! اب یہ یقین کرنے کے لیے کہ نیکی تمھارا پھل ہے یا بدی، اس پانی میں دیکھو۔ اس پانی میں اور اُس پانی میں بھی جو انسان کی آنکھوں میں ہوتا ہے، اور جو صرف بے حد دکھ اور بے حد خوشی پر آنکھوں میں آتا ہے۔ یہ خوبی ہے کہ اس میں جو بھی دیکھے اُسے اپنی روح کا سایہ تک نظر آئے گا۔ آنکھ انسان کی روح کا آئینہ ہوتی ہے، جو کبھی تمھیں اپنی آنکھوں میں شرم اور حیا، رحم دلی اور ہم دردی نظر آئے تو سمجھو کہ نیکی تمھارا پھل ہے۔ کیوں کہ پھر تمھاری روح ایسی ہی پاک ہوگی جیسے بارش کا پانی اور ایسی ہی نرم ہوگی۔ جیسے شبنم کے قطرے صاف، شفاف چمک دار ! پر تمھیں اپنی آنکھوں میں جھوٹ اور ظلم کی جھلک نظر آئے، تو جان لو کہ تمھارا پھل بدی ہے اور تمھاری روح کالی ہے بالکل کوئلے جیسی، جو خود تو کالا ہے مگر جس سے لگے اُسے بھی کالا کردے! اور اتنی سخت کہ دنیا میں کوئی چیز ویسی نہیں ! اور شہزادے، بے شک کالی روح اور بے حیا آنکھ کو دھو کر پاک صاف کرنے کے لیے آبِ حیات کے ہزاروں چشمے بھی کم ہیں۔ اگر تمھاری روح پاک ہے تو پھر تمھیں کسی بھی آبِ حیات کی ضرورت نہیں، کیوں کہ تمھارا نام تب تک قائم رہے گا جب تک بقا کو بقاہے پھر تم اَمَر ہو جاؤ گے ہر دور اور ہر انسان کے لیے مثال بن جاؤ گے۔"

شہزادہ گہری سوچ میں پڑگیا۔ مچھلی غوطہ لگا کر پانی میں چلی گئی اور پھر کچھ دیر کے بعد واپس آکر شہزادے کو کہا : "اور شہزادے سائیں ! یہ نہ بھولنا کہ تم ایک ملک کے حکم راں ہو۔ کسی بھی ملک کے حکم راں کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی مٹی، گوشت پوست کے مجسمے کو زیادہ عرصے تک قائم رکھنے کے لیے آبِ حیات پیے

یا پھر کچھ اور جتن کرے۔ جب خود کے ملک کے لوگوں کو بیماریوں نے ایسے پیس دیا ہو جیسے چکّی گندم کے دانوں کو پیستی ہے۔" شہزادے نے یہ سن کر آنکھیں بند کر لیں۔

مچھلی پھر کہنے لگی : "کسی بھی ملک کے حکم ران کو یہ بات نہیں سجتی کہ بہترین مشروبات اور لذیذ کھانوں سے اپنا پیٹ بھرے اور عوام ایک وقت دال چٹنی کھائیں اور دوسرے وقت پیٹ پر پتھر باندھیں۔ وہ اپنے جسم پر اطلس و ریشم کی نمایش کرتا پھرے جب کہ اس کے ملک کی رعایا کے جسم پر کپڑا نام کی بھی کوئی چیز نہ ہو اور اُن کے جسم سردی سے سُکڑ رہے ہوں۔ جیسے کہ اکاوا کے سوکھے پتّے اور دھوپ میں ان کے جسم ایسے جھلس کر کالے ہوگئے ہوں جیسے توے کی کالونچ۔ شہزادے ! تمام باتوں کو دھیان میں رکھو اور پھر اگر چاہو تو بے شک آبِ حیات پینا۔" شہزادے کی آنکھوں سے پچھتاوے کے آنسو جاری ہوگئے۔ مچھلی غوطہ لگا کر چلی گئی۔ شہزادے کی گردن شرم سے جھک گئی وہ الٹے قدموں پلٹا اور غار سے نکل گیا۔ دوستوں کو آکر نیند سے جگایا اور اُنھیں ساتھ لے کر اُسی وقت محل کی طرف روانہ ہوگیا۔

دوسرے دن شہزادے نے اعلان کیا : "میرے ملک کا کم زور ترین آدمی بھی میرے لیے طاقت ور ترین ہے۔ یہاں تک کہ میں اُسے اُس کے سارے حق نہ لے کر دوں، اور میرے ملک کا طاقت ور سے طاقت ور آدمی تب تک میرے لیے کم زور ترین ہے، جب تک میں اُس سے وہ سارے حق نہ چھین لوں جو اُس نے دوسروں سے زبردستی ہتھیالیے ہیں۔" کہتے ہیں کہ اس کے بعد شہزادے مہران کے ملک میں نہ کبھی قحط پڑا اور نہ ہی کسی کے ساتھ ظلم ہوا۔ شہزادے مہران نے پورے پانچ برس حکومت کی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو ملک کا ہر بچہ ہچکیاں لے لے کر ایسے رو رہا تھا جیسے اُس سے اُس کا پسندیدہ کھلونا چھین لیا گیا ہو۔ ہر عورت ایسے بَین کررہی تھی جیسے اُس کا جوان شوہر مر گیا ہو اور ہر مرد کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے جیسے اس کے جوان بیٹے کی ناگہانی موت ہوگئی ہو۔

دوسرے دن دربار میں بوڑھے، جوان، بچے جمع ہوگئے۔ کسی نے کہا کہ شہزادہ مہران کی یاد میں کوئی ایسا مینار بنائیں جو ہمیشہ یادگار رہے۔ کسی نے کہا کہ کیوں نہ ایسا قیمتی سکّہ جاری کریں جو اپنی قیمت اور بناوٹ کے لحاظ سے دائمی یادگار بن جائے۔ کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ، پر سب سے عقل مندی کی بات ایک بزرگ نے کہی۔ اس نے کہا : "شہزادہ مہران ہم سب کے لیے رحم و انصاف کا بادل تھا ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسی چیز اُس کے نام سے منسوب کریں جو ہم سب کے زندہ رہنے کا باعث ہو ، جو قائم و دائم ہو اور وہ چیز ہے یہ ہمیشہ سے 'بہتا دریا' اگر یہ نہ ہوتا تو 'سندھ' ویران اور بنجر ہوجاتا۔" سب نے "واہ واہ" کی۔ اور اُس دن سے اس دریا کا نام "مہران" پڑگیا۔ ملاح نے بات پوری کی تو کشتی بھی آکر دوسرے کنارے لگی۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ملاح کو کرایہ دے کر ایک محبت بھری نگاہ مہران پر ڈالی جس میں آبِ حیات ٹھاٹھیں مار رہاتھا اور پھر اپنے راستے پر روانہ ہوگیا۔

(ماخوذ از : آبِ حیات)
(تحریر : غلام زبانی آگرو، سندھی سے ترجمہ : ناہید اخترسومرو)

مشق

سوال نمبر ۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) شہزادے مہران میں کون کون سی خوبیاں تھیں ؟
(ب) شہزادے نے اپنے ساتھیوں کو کیا جواب دیا؟
(ج) وزیر زادے نے آبِ حیات کی کیا خاصیت بیان کی ؟
(د) غار میں شہزادے مہران کی ملاقات کس سے ہوئی ؟
(ہ) مچھلی نے شہزادے کو کیا نصیحت کی ؟
(و) شہزادے کی موت پر ہر آنکھ کیوں اشک بار تھی ؟
(ز) دریا کا نام مہران کیوں رکھا گیا؟
(ح) اس کہانی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے ؟

سوال نمبر۲ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) انسان کے ہاتھ میں ہے:
(الف)تدبیر (ب)تقدیر (ج)تقریر (د)تعبیر

(۲) آبِ حیات پینے سے مل جاتی ہے:
(الف)ابدی بادشاہت (ب)ابدی حیات (ج)ابدی عزّت (د)ابدی دولت

(۳) شہزادے مہران کے نام سے منسوب کیا گیا :
(الف)سکّہ (ب)مینار (ج)محل (د)دریا

(۴) شہزادے نے ہمیشہ کی زندگی پائی:
(الف)آبِ حیات پی کر (ب)حکومت کرکے
(ج)لوگوں کی خدمت کرکے (د)جنگ کرکے

(۵) انسان کی روح کا آئینہ ہوتی ہے:
(الف)آنکھ (ب)زبان (ج)سوچ (د)ہم دردی

سوال نمبر۳ : درج ذیل الفاظ میں متضاد اور مترادف جوڑے الگ الگ کرکے لکھیے:

کالا،سیاہ	موت، زندگی	بوڑھا، جوان	دن، رات	خشکی، تری	نیکی، اچھائی	شرم، حیا

سوال نمبر ۴: درج ذیل عبارات کی تشریح بہ حوالۂ متن کیجیے:

(الف) "اب یہ یقین کرنے کے لیے کہ نیکی تمھارا پھل ہے یا بدی، اس پانی میں دیکھو۔ اس پانی میں بھی اور اُس پانی میں بھی جو انسان کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔"

(ب) "اگر تمھاری روح پاک ہے تو پھر تمھیں کسی بھی آبِ حیات کی ضرورت نہیں۔"

سوال نمبر۵: درج ذیل الفاظ اور محاورے اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ہوا سے باتیں کرنا	اماوس	ڈھیر ہونا	حلال کرنا	مصمم ارادہ کرنا

سرگرمیاں

- طلبہ کمرۂ جماعت میں دو کرداروں خضر اور الیاس پر روشنی ڈالیں گے۔
- طلبہ اس کہانی کو ڈرامے کی صورت میں پیش کریں گے۔
- طلبہ اس سبق سے ملتی جلتی کوئی اور کہانی منتخب کریں گے اور کمرۂ جماعت میں سنائیں گے۔

لوک کہانیاں نظم میں بھی ہوتی ہیں اور نثر میں بھی، لوک کہانیاں عوام کے خیالات کی ترجمان ہوتی ہیں، تحریری شکل کے بہ جائے سینہ بہ سینہ دوسری نسل تک پہنچتی ہیں۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو اس کہانی کے کردار خضر اور الیاس کے بارے میں تفصیل سے معلومات فراہم کیجیے۔
- طلبہ کوروزمرّہ اور محاورے کا فرق سمجھائیے۔

آغا حشر کاشمیری

- **پیدائش:** ۱۳ - اپریل ۱۸۷۹ء امرتسر
- **وفات:** ۲۸ - اپریل ۱۹۳۵ء لاہور
- **تصانیف:** خوابِ ہستی، رستم و سہراب، مریدِ اشک، اسیرِ حرص، سفید خون

میدانِ جنگ

باب : تیسرا - سین : چھٹا

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) سُن کر بات/کہانی/مکالمے کی جزئیات کو ترتیب سے یاد رکھ سکیں اور اسے دہرا سکیں۔ (۲) کسی نثری تحریر پر استحسانی گفتگو کر سکیں۔ (۳) درسی کتاب میں شامل اصلاحی، تاریخی، تمثیلی، سائنسی اور مزاحیہ مضامین کا تقابلی جائزہ کر سکیں۔ (۴) ادبی کتب کا مطالعہ کر کے کسی مطلوبہ شخصیت کے حالات جمع کر سکیں۔ (۵) کسی ادبی فن پارے کا مرکزی خیال بیان کر سکیں، تشریح کر سکیں اور اہم نکات کا خلاصہ کر سکیں۔ (۶) تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (ڈائری، رپورتاژ، انشائیہ، کہانی، افسانہ وغیرہ) کا مناسب انتخاب کر کے پیش کر سکیں۔

(رستم اُداس چہرے اور غم گین دل کے ساتھ مایوس نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔)

رستم: پروردگار! میں نے کبھی تیرے قہر و غضب کو حقیر نہیں سمجھا۔ کبھی تیری طاقت کے سامنے اپنی فانی طاقت کا غرور نہیں کیا، پھر اس ذلّت کی شکل میں تو نے مجھے میرے گناہ کی سزا دی ہے۔ اوہ۔ دردمندوں کی دوا اور کم زوروں کی طاقت، اے ناامیدوں کی امید! میں نے کل ساری رات تیرے حضور میں سجدہ ہائے نیاز کے ساتھ آنسو بہا کر مدد کے لیے التجا کی ہے۔ اپنے عاجز بندے کی التجا قبول کر۔ اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ۔ اور ایک بار میری جوانی کا زور و جوش مجھے واپس کر دے۔

(سہراب کا داخلہ)

سہراب: صبح ہوگئی۔ ممکن ہے کہ آج کی صبح اس کی زندگی کی شام ثابت ہو۔ نہ جانے کیا سبب ہے کہ اس کی موت کا خیال آتے ہی میری روح کانپ اُٹھتی ہے۔ (رستم کو دیکھ کر) تو آ گیا۔ جنگ کے نقارے کی پہلی چوٹ سے تیری نیند ٹوٹ گئی۔

رستم: بہادر اپنا وعدہ نہیں بھولتا۔ میں آدھی رات سے صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

سہراب: شیر دل بوڑھے ! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے۔ اگر ایران کی گود بہادر فرزندوں سے خالی نہیں ہے، تو جا واپس جا، اور اپنے عوض کسی اور ایرانی دلیر کو بھیج دے۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں۔

رستم: کل کی اتفاقی فتح پر غرور نہ کر۔ہر نیا دن انسان کے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے۔ تقدیر کا پہیا ہمیشہ ایک ہی سمت میں نہیں گھومتا۔

گھڑی بھر میں بدلنا ہوگا تجھ کو پیرہن اپنا
منگا کر پاس رکھ لے جنگ سے پہلے کفن اپنا

(جنگ شروع ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہراب ہاتھ روک لیتا ہے۔)

سہراب: آج میں تجھ میں نیا جوش اور نئی قوت دیکھ رہا ہوں، جواں ہمت بوڑھے ! مجھے پھر شک ہوتا ہے کہ تو رستم ہے۔ میں تجھے تیری عزّت کا واسطہ اور تیری بہادری کی دہائی دے کر ایک بار پھر تیرا نام پوچھتا ہوں۔ زور سے نہیں منّت سے غرور سے نہیں عاجزی سے۔

رستم: تو میرا نام ہی جاننا چاہتا ہے تو سن میرا نام ہے-----

سہراب: (خوشی کی گھبراہٹ سے) رستم۔

رستم: نہیں سہراب کی موت۔

سہراب: افسوس تو نے میرے رحم کی قدر نہ کی۔

(دوبارہ جنگ ہوتی ہے۔ رستم، سہراب کو گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھتا ہے۔)

رستم : بس اسی ہمت اسی طاقت پہ تھا اتنا غرور
تُو کوئی شیشہ نہ تھا کیوں ہو گیا پھر چُور چُور
کیا ہُوا زورِ جوانی اٹھ اجل ہے گھات میں
دیکھ لے اب، کس قدر قوت ہے بوڑھے ہاتھ میں

(سہراب کے سینے میں خنجر بھونک دیتا ہے۔)

سہراب: آہ۔ اے آنکھوں۔ تمھارے نصیب میں باپ کا دیدار نہ تھا۔ کہاں ہو پیارے باپ کہاں ہو۔ پیارے

باپ کہاں ہو۔ آؤ۔ آؤ۔ کہ مرنے سے پہلے تمھارا سہراب تمھیں ایک بار دیکھ لے۔

رستم: کیا اپنی جوانی کی موت پر ماتم کرنے کے لیے باپ کو یاد کررہا ہے۔ اب تیرے باپ کی محبت، اس کی دعا، اس کے آنسو۔ اس کی فریاد۔ کوئی تجھے دُنیا میں زندہ نہیں رکھ سکتی۔

مرہم کہاں جو رکھ دے دلِ پاش پاش پر
آیا بھی وہ تو روئے گا بیٹے کی لاش پر

سہراب: بھاگ جا۔ بھاگ جا۔ اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں بھاگ جا۔ تو نے سام و نریمان کے خاندان کا چراغ بجھا دیا ہے۔ تاریک جنگلوں میں ،پہاڑوں میں، سمندر کی تہہ میں کہیں بھی جا کر چھپے۔ لیکن میرے باپ رستم کے انتقام سے نہ بچ سکے گا۔

رستم: (چونک کر) کھڑا ہوجاتا ہے۔ کیا کہا ؟ کیا کہا ؟ تو رستم کا بیٹا ہے ؟

سہراب: ہاں۔

رستم: تیری ماں کا نام ؟

سہراب: تہمینہ۔

رستم: تیرے اس دعوے کا ثبوت ؟

سہراب: ثبوت، میرے اس بازو پر بندھی ہوئی میرے باپ رستم کی نشانی!

رستم: جھوٹ ہے، غلط ہے،تو دھوکا دے رہا ہے۔ مجھے پاگل بناکر اپنے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ (گھبراہٹ کے ساتھ سہراب کے بازو کا کپڑا پھاڑ کر اپنا دیا ہوا مُہرہ دیکھتا ہے) وہی مُہرہ، وہی نشانی (سر پٹک کر) کیا کِیا۔ کیا کِیا ۔ اندھے۔ پاگل، جلّاد۔ یہ کیا کِیا۔ شیر جیسا خوں خوار، بھیڑیے جیسا ظالم، ریچھ جیسا موذی حیوان بھی اپنی اولاد کی جان نہیں لیتا۔ لیکن تو انسان ہو کر حیوان سے بھی زیادہ خونی اور جہنم سے بھی زیادہ بے رحم ہے۔

خون میں ڈوبا ہے وہ جس سے مزا جینے میں تھا
دِل کے بدلے کیا کوئی پتھّر ترے سینے میں تھا
توڑ ڈالا اپنے ہی ہاتھوں سے او ظالم ! اُسے
تیرا نقشہ، تیرا ہی چہرہ جس آئینے میں تھا

سہراب: فتح مند بوڑھے ! تو رستم نہیں ہے پھر میری موت پر خوش ہونے کے بدلے اس طرح کیوں رنج کر رہا ہے۔

رستم: (رو کر) اس دنیا میں رنج اور آنسو۔ رونے اور چھاتی پیٹنے کے سِوا میرے لیے اب اور کیا باقی رہ گیا ہے۔ میں نے تیری زندگی تباہ کرکے اپنی زندگی کا ہر ایک عیش اور اپنی دنیا کی ہر ایک خوشی تباہ کردی۔

(سہراب کے پاس زمین پر گر پڑتا ہے اور سہراب اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چھاتی سے لپٹ جاتا ہے۔)

سہراب: بابا۔ میرے بابا!

رستم: ہائے میرے لال ! تو نے الفت سے، نرمی سے، منّت سے کتنی مرتبہ میرا نام پوچھا۔ اس محبت وعاجزی کے ساتھ پوچھنے پر لوہے کے ٹکڑے میں بھی زبان پیدا ہوجاتی۔ پتھر بھی جواب دینے کے لیے مجبور ہوجاتا، لیکن اس دو روزہ دنیا کی جھوٹی شہرت اور اس فانی زندگی کے فانی غرور نے میرے ہونٹوں کو ہلنے کی اجازت نہ دی۔

سہراب: پیارے باپ ! میری بدنصیب ماں سے کہنا کہ انسان سب سے لڑسکتا ہے قسمت سے جنگ نہیں کرسکتا۔ آہ ۔۔۔ (رستم کی گود سے زمین پر گر کر آنکھیں بند کرلیتا ہے)

رستم: یہ کیا۔ میرے بچے، آنکھیں کیوں بند کرلیں۔ کیا خفا ہوگئے ! کیا ظالم کی صورت نہیں دیکھنا چاہتے !

میرے بچے، یوں نہ جا مجھ کو تڑپتا چھوڑ کے
میرے دل، میرے جگر ! میری کمر کو توڑ کے
ہائے کیا کیا آرزو تھی زندگانی میں تجھے
موت آئی پھولتی پھلتی جوانی میں تجھے

سہراب: ماں ۔۔۔ خدا۔۔۔۔ تمھیں ۔۔۔۔ تسلّی دے!

رستم: اور۔ اور ۔۔۔ بیٹا بولو۔ بولو۔ چپ کیوں ہوگئے ! آہ۔ آہ۔ اِس کا خون سرد ہورہاہے۔ اس کی سانسیں ختم ہورہی ہیں۔ اے خدا۔ اے کریم و رحیم خدا ! اولاد باپ کی زندگی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔ اپنی دنیا کا قانون بدل ڈال۔ اس کی موت مجھے اور میری باقی زندگی اُسے بخش دے۔ موت ۔ موت ! تو میری تہینہ کا بولتا کھیلتا ہُوا کھلونا کہاں لے جارہی ہے۔ دیکھ، میری طرف دیکھ ! میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو تاج و تخت کی بھیک دی ہے۔ آج ایک فقیر کی طرح تجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں :

پھینک دے جھولی میں تو میرے گلِ شاداب کو
ہاتھ پھیلائے ہوں میں، دے دے مِرے سہراب کو

سہراب: (آنکھیں بند کیے ہوئے) دنیا۔ رخصت۔ خدا ۔۔۔۔ (مرجاتا ہے)

رستم: آہ ! جوانی کا چراغ، آخری ہچکی لے کر بجھ گیا۔ بے رحم موت نے میری اُمید کی روشنی لُوٹ لی۔

اب لاکھوں چاند، ہزاروں سورج مل کر بھی میرے غم کا اندھیرا دور نہیں کرسکتے۔ آسمان ! ماتم کر، زمین ! چھاتی پیٹ۔ درختو، پہاڑو، ستارو ! ٹکرا کر چُور چُور ہوجاؤ۔ آج ہی زندگی کی قیامت ہے۔ آج ہی دنیا کا آخری دن ہے۔زندگی۔ دنیا۔ کہاں ہے زندگی ؟ کہاں ہے دنیا ؟ زندگی سہراب کے خون میں اور دنیا رستم کے آنسوؤں میں ڈوب گئی (دیوانوں کی طرح پکارتا ہے) سہراب۔ سہراب۔ سہراب ! (غش کھا کر گر پڑتا ہے)۔

(ماخوذ از : رستم و سہراب)

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) رستم نے خدا کے حضور کیا دعا کی تھی اور اس دعا کا کیا انجام ہوا؟

(۲) سہراب نے رستم کو کیا پیش کش کی اور رستم نے اس پیش کش کا کیا جواب دیا ؟

(۳) یہ جاننے کے بعد سہراب، رستم ہی کا بیٹا ہے ، رستم کی کیا کیفیت ہوئی ؟

(۴) سہراب اپنے مقابل یعنی رستم کی موت کیوں نہیں چاہتا تھا؟

(۵) سہراب کی موت پر رستم کے جذبات اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

سوال نمبر۲ : ذیل کے الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

سجدہ ہائے نیاز	قہر و غضب	چراغ بجھانا	موذی	محبت و عاجزی	گلِ شاداب

سوال نمبر۳ : مندرجہ ذیل عبارت کی تشریح بہ حوالۂ سیاق و سباق کیجیے:

”اولاد باپ کی زندگی کا سرمایہ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین۔“

سوال نمبر۴ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) رستم، سہراب کا تھا:

(الف)چچا (ب)باپ (ج)ماموں (د)دادا

(۲) سہراب رستم سے باربار پوچھ رہاتھا :

(الف)اس کا گاؤں (ب)اس کا قبیلہ (ج)اس کا نام (د)اس کی ذات

(۳) رستم نے اللہ سے دعا میں اپنے لیے مانگا تھا:

(الف) غلبہ (ب)مالِ غنیمت (ج)جوانی کا زور (د)جیون

(۴) رستم اور سہراب کا تعلق ہے:

(الف)ایران سے (ب)ہندوستان سے (ج)عرب سے (د)افغانستان سے

(۵) ہر نیا دن انسان کے لیے لے کر آتا ہے:

(الف)نئی امید (ب)نئے لوگ (ج)نیا موقع (د)نیا انقلاب

سرگرمیاں

- طلبہ کوئی ٹی وی ڈراما دیکھ کر جماعت میں اس ڈرامے کی کہانی اور اس کے بنیادی خیال پر اظہارِ رائے کریں گے۔
- طلبہ اضافی مطالعے کے ذریعے آغا حشر کاشمیری کے حالاتِ زندگی جمع کر کے کمرۂ جماعت میں پیش کریں گے۔

ڈراما یونانی لفظ ”ڈراؤ“ (Drao) سے مشتق ہے جس کے معنی ”عمل یا اداکاری“ یا دوسرے لفظوں میں کچھ کرکے دکھانے کے ہیں۔ ڈراما ایک کہانی ہے جو اداکاروں کے ذریعے ناظرین کے روبرو عملاً پیش کی جاتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ڈراما ایک نقالی ہے جو حرکت اور تقریر کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو ڈرامے کے اجزائے ترکیبی سے آگاہ کیجیے۔
- طلبہ کو ڈرامے کی معاشرتی اہمیت سے واقفیت دیجیے۔

امتیاز علی تاج

- پیدائش : ۱۳ - اکتوبر ۱۹۰۰ء، لاہور
- وفات : ۱۹ - اپریل ۱۹۷۰ء، لاہور
- تصانیف : انار کلی، چچا چھکّن، ہیبت ناک افسانے

بیگم کی بلّی

(تمثیلچہ)

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) درسی تحریر (نثر) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجے، رموز و اوقاف، اعتماد، زیرو بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۲) کھیلوں اور معاشرتی مسائل پراخبار کے مدیر/متعلقہ محکمے کو رپورٹ لکھ کر بھیج سکیں۔ (۳) غلط فقرات کی قواعد کے لحاظ سے درستی کرسکیں۔ (۴) کسی ادبی فن پارے کا مرکزی خیال بیان کرسکیں، تشریح کرسکیں اور اہم نکات کا خلاصہ کرسکیں۔

امیدوار: میاں یہ ہے وہ بلّی۔

میاں: (غصّے کی دبی ہوئی آواز میں) چُپ، احمق کہیں کا، اتنے زور سے بولتا ہے۔

امیدوار: زور سے بولا تھا میں ؟

میاں: پھر وہی۔ ارے نامعقول، آہستہ بول آہستہ !

امیدوار: (آہستہ سے) بات کیا ہے ؟

میاں: تجھے بات سے کیا مطلب ؟ جو کچھ کہا ہے کردے۔

امیدوار: بلّی تو کالی سیاہ ہو رہی ہے۔ تھی کہاں یہ ؟

میاں: کوئلوں کی کوٹھری میں۔
نہیں مانے گا۔ آہستہ، آہستہ بول۔ کل رات ہم اسے بہت دور چھوڑ آئے تھے۔ لیکن واپس چلی آئی کم بخت۔ اس کے واپس آنے کے بعد ہم چاہتے تھے، اسے بیگم صاحبہ سے چھپا کر رکھنا۔ اس لیے کوئلوں کی کوٹھری میں بند کردی تھی۔

امیدوار: تو بیگم صاحبہ کی بلّی ہے یہ ؟

میاں: بڑی چہیتی۔

امیدوار: بلّی کو تو میاں ! کتنی ہی دور لے جاکر چھوڑو گھر واپس آجاتی ہے۔

میاں: مگر اب کے تو نہ آئے گی۔ تو سمجھ گیا ہے نا، اپنا کام !

امیدوار: ہاں ہاں میاں ! سمجھتا کیوں نہ ؟

میاں: مگر دیکھو زیادہ دکھ نہ پہنچائیو اسے۔ بڑی نرمی سے کام تمام کیجیو۔

امیدوار: اور اگر ۔۔۔۔۔

میاں: اگر مگر کچھ نہیں۔ پسیج نہ جائیو کہیں۔ہم چاہتے ہیں اب کے یہ قصہ ہی تمام ہو جائے۔

امیدوار: اور میاں کسی نے دیکھ لیا تو ؟

میاں: دیکھ لیا کے بچے۔ تو اس وقت سن لیا کی فکر رکھ۔ کسی نے دیکھ لیا تو کون سا تجھے سولی پر لٹکا دے گا۔ ایسا ہی خوف ہے تو چل رات کو سہی۔

امیدوار: اور میاں اس کام کا انعام ۔

میاں: ۔۔۔۔۔ اٹھنّی ۔۔۔۔ یہ ۔۔۔۔

امیدوار: اٹھنّی ۔۔۔۔ اٹھنّی کے لیے یہ خون۔ نا میاں ! مجھے نہیں منظور۔

میاں: اور کیا اپنا سر لے گا۔ ایسی عام بلّی کے لیے اٹھنّی تھوڑی رقم ہے۔

امیدوار: یہ بڑی عام سی بلّی سہی۔ میرے سینے میں تو دل ہے۔ قیامت کے دن اللہ میاں کو منھ کیا دکھاؤں گا۔

میاں: تو پھر بول بھی چُک، لے گا کیا ؟

امیدوار: میاں ایک تو میں ہوں انسان نرم دل۔ دوسرے قتل خون میرا پیشہ نہیں۔ میں تو آپ جانیے باورچی گیری کی امید میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ سنا تھا آپ کو باورچی کی ضرورت ہے۔ اس معاملے میں آپ نے دے دیا ٹکا سا جواب۔ اس لیے اب اس خدمت کے لیے تو۔۔۔

میاں: یہ بول کہ لے گا کیا ؟

امیدوار: پانچ کا نوٹ دلوا دیجیے۔

میاں: پانچ کا نوٹ، سر پھر گیا ہے ؟

امیدوار: تو آپ کی مرضی۔ نہ سہی!

میاں: تو بہت سے بہت ایک روپیا لے لے۔

امیدوار: نامیاں ! بیگم صاحبہ کی بلّی ہے۔ میں تو پانچ روپے سے کوڑی کم نہیں لینے کا۔

میاں: ارے مگر ۔۔۔۔ پانچ روپے ۔۔۔۔

بیگم: (دور سے) اجی ! کہاں گئے ؟

میاں: (گھبرا کر) بیگم صاحبہ آگئیں۔ لے تو یہ پانچ ہی کا نوٹ لے لے اور بھاگ جا۔ بلّی کو کپڑے کے نیچے چھپا لے۔کسی کو اس کی جھلک بھی نظر نہ آنے پائے اور دیکھ نشان تک نہ ملے بلّی کا۔ ادھر سے جا پچھلے راستے سے ہمارے غسل خانے میں سے نکل جا۔

امیدوار: پر میاں ! ۔۔۔۔۔ اگر زہر سے کام کروں تو ۔۔۔۔۔

بیگم: (دور سے) کہاں ہو ؟

میاں: (بیگم سے) یہ رہا (امیدوار سے) اب جا بھی چک کہیں۔

امیدوار: بس میں گیا۔ وہ میں نے کہا تو میاں میرے لیے کہیں نوکری کی سفارش ۔۔۔۔ ؟

میاں: پانچ روپے لے کر بھی نوکری کی سفارش۔ بھاگ یہاں سے۔
(امیدوار جاتاہے۔ میاں کھنکھارتا ہے۔ بیوی آتی ہے۔)

بیگم: (آتے ہوئے) یہاں ہو ؟ چھپ کر بیٹھے ہو۔ ذرا خیال نہیں میرے صدمے کا۔

میاں: بس آ ہی رہا تھا۔ تمھاری طرف۔

بیگم: (آہ بھر کر) کیا کروں۔ میرا تو دل بیٹھا جاتا ہے۔

میاں: دل ۔۔۔۔۔۔

بیگم: جس پرچ میں وہ دودھ پیا کرتی تھی، برآمدے میں اوندھی پڑی ہے۔ دیکھتی ہوں تو ہوکیں اٹھتی ہیں دل میں۔

میاں: واہ ! یہ بھی کوئی بات ہے صدمے کی ؟

بیگم: جس ٹوکری کے اندر گدیلے پر آرام کیا کرتی تھی آج ویران پڑی ہے۔

میاں: تو معمولی بات ہے اس ٹوکری میں تم ۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔۔ مثلاً آلو رکھنے شروع کردو۔

بیگم: دل دُکھانے کی بات نہ کرو۔ مجھے اب تک امید ہے کہ وہ واپس آجائے گی۔

میاں: امید ! جی تو نہیں چاہتا کہ تمھیں مایوس کروں۔ لیکن کیا کِیا جاسکتا ہے۔ (آہ بھر کر) اس کی واپسی کی امید خیالِ خام ہے۔

بیگم: کیا مطلب ؟

میاں: ابھی ابھی بازار کا ایک آدمی میرے پاس ہو کر گیا ہے۔اس نے ایک اطلاع دی ہے۔ تم اپنے آپ کو ایک افسوس ناک خبر سننے کے لیے تیار کرلو۔

بیگم: افسوس ناک خبر ! میرا تو دل دھک دھک کرنے لگا۔ کیا خبر ہے وہ ؟

میاں: (رِقّت سے) ہماری غریب مسکین بلّی ایک قصاب کی دکان کے سامنے کھڑی چھیچھڑوں کے خواب دیکھ رہی تھی، کہ بے رحم قصاب نے اُسے عدم کا راستہ دِکھا دیا۔

بیگم: ہے ہے ! ۔۔۔۔۔۔۔

میاں: (رِقّت سے) ایک موٹر اس کا کام تمام کرتی ہوئی اس پر سے گزرگئی۔

بیگم: میرے اللہ ! ۔۔۔۔۔۔

میاں: (آہ بھر کر) اطمینان کے لیے بس اتنی سی بات ہے کہ جس موٹر نے بلّی کو کچلا وہ رولس رائس کار تھی۔

بیگم: (سسکیاں لیتے ہوئے) اورلاش کیا ہوئی دُکھیا کی ؟

میاں: لاش کہاں رہی، بیگم ! اس کا قیمہ بن گیا۔ جو شخص خبر دینے آیا تھا اس بے چارے نے خبر پہنچانے سے پہلے اس قیمے کو سمیٹ کر اپنی دکان کے پچھواڑے دفن کردیا۔

بیگم: (زور زور سے سسکیاں بھرنے لگتی ہے۔)

میاں: جو بے چارہ شخص خبر دینے آیا تھا، وہ غریب جب واقعہ بیان کررہا تھا تو اُس کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں۔

بیگم: (اور زور سے رونے لگتی ہے)

میاں: ہائیں ہائیں، بیگم ! حوصلہ کرو۔ اس کی قضا آئی تھی مرگئی۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی۔ مَشِیَّتِ اِیزدی میں کس کو دم مارنے کی مجال ہے۔ ہائیں ہائیں۔ کسی نوکر نے روتے دیکھ لیا، تو کیا جی میں کہے گا۔ نہ جانے دل میں کیا سمجھ بیٹھے۔ لو پونچھ ڈالو آنسو۔ کل تم کہہ رہی تھیں کہ آج صبح خرید و فروخت کے لیے بازار جانا ہے۔ مجھے اِس وقت بیٹھ کر مضمون لکھنا ہے، کار خالی ہے۔ جاؤ بازار ہو آؤ۔

بیگم: (سسکیاں لیتے ہوئے) میں کیوں کر بازار جاؤں جب جب جب۔ جب میری بلّی کا۔ کا۔ کا۔ تو قیمہ۔۔۔

میاں: ارے تو اَب کیوں اسے یاد کیے چلی جارہی ہو ؟ ایک بات تھی، ہو گئی۔ اب بھول جاؤ بات کو۔ بھلا دیکھیں تو مسکراتی کیوں کر ہو۔ دیکھو یہ مُنھ چھپانا ٹھیک بات نہیں۔اچھا اگر بازار میں خریداری کے لیے کچھ رقم بھی تمھاری نذر کردیں تو۔ اے !یہ لو نوٹ، ارے دیکھو ! یہ تو دس روپے کا ہے۔ دس روپے کا۔ بولو تو بھلا اِن دس روپوں کا لاؤ گی کیا ؟ بھئی، یہ بات ٹھیک نہیں۔ تم تو بولتی نہیں۔ اچھا، ہم بتائیں ! ان روپوں میں سے جناب ! ایک تو آپ لے آئیے سینٹ اور جنابِ من ۔۔۔۔۔۔

بیگم: تو پھو ۔۔۔۔۔۔۔ پھو ۔۔۔۔۔۔۔ پھو ۔۔۔۔۔۔۔

میاں: پُھکنی لاؤ گی ؟ اچھی بات، شوق سے لے آؤ۔

بیگم: (روتے میں ہنس پڑتی ہے) بڑے اچھے لگتے ہیں۔

میاں: ہنس پڑیں نا۔ یہ بات !

بیگم: بات ہی ایسی الٹی کرتے ہو۔ میں کہہ رہی تھی پھول لاؤں گی۔

میاں: پھول کیسے ؟

بیگم: بلّی کی قبر پر چڑھانے کو۔

میاں: پھر وہی بلّی۔ارے بھئی تھی۔ مرگئی۔ بھول جاؤ اب اس کو۔

(دیور داخل ہوتا ہے)

دیور: آداب عرض ہے بھائی جان۔ مزاج شریف ! کیوں بھابی ارے کیا ہُوا اُنھیں ؟

بیگم: بھئی میری بے چاری ۔۔۔۔۔۔

میاں: تم جانے دو میں سنا دوں گا سارا قصہ۔ تمھاری بھابی اصل میں ایک واقعے سے بڑی مُضطَرِب ہوگئی ہیں۔

دیور: کیا واقعہ ہوگیا ؟

میاں: ابھی بتاتا ہوں۔ تو بیگم تم جاؤ بازار ہو آؤ۔ گھوم پھر کر آؤ گی تو طبیعت آپ سے آپ بحال ہوجائے گی۔ لو آؤ دروازے تک چھوڑ آؤں۔

(دروازہ بند کرتا ہے)

دیور: قصّہ کیا ہے ؟

میاں: اماں کچھ نہ پوچھو۔ اس کم بخت بلّی نے مصیبت ڈال رکھی ہے۔

دیور: بھابی کی بلّی۔

میاں: ہاں!

دیور: تو کیا ہُوا اُسے ؟

میاں: امید ہے اب تک وفات پاچکی ہوگی۔

دیور: وفات۔ اور یہ "امید ہے" کے کیا معنی۔

میاں: اندازہ ہے میرا۔

دیور: بے چاری بلّی۔

میاں: اب جناب اپنی ہم دردی اس بلّی پر صرف نہ کیجیے۔ مجھ سے ہم دردی کیجیے۔ اس گھر میں آئے ایک مہینے کا عرصہ ہوا تھا۔ قسم لے لو جو اس سارے مہینے میں مجھے راحت کا ایک پل نصیب ہو۔

دیور: کیا باتیں کرتے ہیں، بھائی جان !

میاں: باتیں ! اماں اس کم بخت نے میرا جینا دو بھر کردیا تھا۔

دیور: وہ کیوں کر ؟

میاں: سب سے پہلے تو میری بیوی کو چھین کر اپنا بنالیا۔ یعنی بہ خدا جب سے وہ سبز قدم گھر میں آئی تھی تمھاری بھابی کے لیے میں تو جیسے کوئی شے ہی نہیں رہا تھا۔

دیور: رہنے بھی دیجیے، بھائی جان !

میاں: تم سمجھتے ہو میں مبالغہ کررہا ہوں۔ دیکھتے تو پتا چلتا۔ کہیں بلّی کو دودھ پلایا جارہا ہے، کہیں گوشت

کے تکّے کھلائے جارہے ہیں۔ اس وقت کیا ہوا ہے بلی کو گیند سے کھیلتا دیکھ رہی ہیں۔

دیور: ہوجاتا ہوگا دن میں ایک آدھ گھنٹا یہ شغل۔

میاں: ارے ! مگر شغل کے لیے کوئی بھلی مانس خاندانی بلّی ہو۔ وہ تو ایک چھَٹی ہوئی بلّی تھی۔ پچھلے مہینے کم بخت نے ایک چوہا پکڑ کر میرے تازہ ترین افسانے کے اوراق پر اس کا ناشتا کیا۔

دیور: تو آپ جان ور سے بھی عقل کی توقع رکھتے ہیں ؟

میاں: ارے بھئی، عقل نہ ہو، تمیز تو ہو ! کیچڑ میں سے گھوم کر آتی اور نہایت بے تکلفی سے میرے اُجلے بستر پر چڑھ جاتی۔ ہم سائے نے مرغی کے بچے نکلوا رکھے تھے۔ ان کے دو چوزوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ ان سے پیٹ کا جہنم ڈرائنگ روم میں بھرا۔چناں چہ قالین پر خون آلودہ پروں کا ایک اور فرش بچھا ڈالا۔

دیور: تو پھر اب وہ ہے کہاں ؟

میاں: جہاں تک میری ناقص فہم تخمینہ لگا سکتی ہے، وہ مسماۃ اس وقت دوسری دنیا کی سیاحت کے لیے رختِ سفر باندھ رہی ہے۔

دیور: وہ کیسے ؟

میاں: بات یوں ہوئی کہ کل ہم نے دل میں طے کرلیا تھا کہ بھئی بہت عرصے صبر سے کام لیا۔ اب ہر چہ بادا باد۔ بلّی اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ چناں چہ جنابِ مَن ! کل رات ہم نے اس بلا کو چپکے سے اٹھایا اور موٹر میں بٹھا دریا کا راستہ پکڑا۔

دیور: اور بھابی جان کو پتا نہ لگا ؟

میاں: یہ کارروائی اس وقت عمل میں لائی گئی تھی جب وہ سو گئی تھیں۔

دیور: پھر کیا ہوا ؟

میاں: اسے دریا پر چھوڑ کر میں گھر آ گیا۔

دیور: چناں چہ اب آپ کا خیال ہے کہ وہیں دریا کے کنارے بلّی غالباً مر کھپ چکی ہوگی۔

میاں: کہاں مر کھپ ۔۔۔ وہ کم بخت تو پھر نازل ہوگئی۔

دیور: سچ !

میاں: اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔ صبح صبح اندھیرے منھ میاؤں میاؤں کی کریہہ آواز سن کر آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر دیکھتا ہوں تو دھری ہوئی ہیں۔ اب گھر کے دروازے تو بند تھے۔ غالباً کسی موری کے راستے گھس آئی تھی۔

دیور: پھر ؟

میاں: پھر کیا، خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ صبح صبح سمجھ میں بھی تو نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ اور کچھ تو سوجھا نہیں۔ میں نے بلّی کے منہ پر رومال باندھ اسے کوئلوں کی کوٹھری میں بند کردیا۔ سوچا منھ پر رومال بندھا ہونے سے اس کی آواز سنائی نہ دے گی۔ دن میں آرام سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں گے کہ اس سے دائمی نجات کیوں کر پائی جائے ۔

دیور: تو بلّی اب تک کوئلوں کی کوٹھری میں بند ہے ؟

میاں: جی بند ہی تو ہے۔ یہاں صبح سے سوائے اس فکر کے دوسرا کوئی فکر نہ تھا کہ جب بیگم صاحبہ کو صدمہ بھی پہنچا لیا تو اب ٹھکانے لگاؤں اس بلّی کو۔ اتفاق کی بات تھوڑی دیر ہوئی ، ایک ملازمت کا امیدوار آگیا میرے پاس۔ شکل و صورت سے سمجھ دار اور چلتا ہوا آدمی نظر آتا تھا۔ اس سے باتیں کرتے کرتے اچانک خیال آیا کہ بلّی کا کام اس کے ہاتھوں تمام کرانا چاہیے۔ چناں چہ جناب ! ابھی تھوڑی دیر ہوئی وہ بلّی کو لے کر گیا ہے، اور بیگم کو میں نے یہ کہہ کے ٹالا ہے، کہ بلّی موٹر تلے آکر مرگئی۔

دیور: بھائی جان ! سچ تو یہ ہے کہ آپ نے کسی قدر زیادتی کی ہے۔

میاں: بلّی سے زیادتی ؟ اور مجھ سے کیا ہوسکتا تھا بھلا ! اس ایک بلّی کی بہ دولت میرا گھر غلیظ تھا۔ میرا اطمینانِ قلب غارت تھا۔ میرے تعلقات ہم سایوں اور کئی دوسرے لوگوں سے تو کیا ، خود اپنی بیوی تک سے کشیدہ ہوگئے تھے۔ اور پھر کئی روپے بھی تو اٹھ گئے میرے۔ پانچ روپے ---

دیور: اس شخص کو دیے جو بلّی کو ٹھکانے لگانے لے گیا ہے ؟

میاں: اور کیا ! کم بخت اس سے کم پر کسی طرح مانتا ہی نہ تھا۔ اور پھر یہی پانچ تھوڑا اٹھے۔ تمھاری بھابی کا غم بہلانے کے لیے دس روپے خود ان کی نذر بھی تو کرنے پڑگئے۔ کُل پندرہ اٹھ گئے۔ پر مجھے نہیں افسوس روپے کا۔ پندرہ روپے میں امن اور سکون کی زندگی سستی ہے میں پندرہ روپے میں اس سے اچھا سودا اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔

(میاؤں میاؤں کی آواز۔ بیگم بھاگی بھاگی اور خوشی کے جوش سے بےتاب آتی ہے)

بیگم: میں نے کہا، کہاں گئے ! سنو تو ۔ میں کار میں سوار ہوکر بنگلے سے نکل رہی تھی کہ دروازے پر

ایک بھلا مانس مِلا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کار کو روک لیا۔ ڈرائیور سے پوچھا: "کار میں بیگم صاحبہ ہیں؟" اس نے کہا ہاں! تو جھٹ کپڑے تلے سے ایک چیز نکال میرے لیے پیش کی۔ پوچھو بھلا کیا؟ بلّی اور بلّی بھی کیسی ہو بہ ہو میری مرحوم بلّی کی تصویر۔

بیگم: بس کسی کوئلے والے کے ہاں رہ کر کالی ضرور ہوگئی ہے۔ مگر نہا دھو کر بالکل مرحوم بلّی جیسی ہو جائے گی۔

میاں: تو تم نے خدا نخواستہ لے تو نہیں لیا اُسے؟

بیگم: اور کیا (دیور کی دبی ہوئی ہنسی) جو دس روپے تم نے دیے تھے اس سے بلّی تو خریدی ہے۔

میاں: دس روپے میں بلّی!

بیگم: اور ساتھ بیچنے والے کو ملازم رکھ لیا۔

میاں: ملازم ـــــ

(دیور کی ہنسی)

بیگم: بے چارہ بال بچے دار ہے۔ نوکری کی تلاش میں تھا۔ بے حد بھلا مانس ہے۔ ادھر کھڑا ہے۔

میاں: وہ بد معاش!

امیدوار: سلام میاں۔ آپ نے تو سفارش کے ایک پرزے سے بھی جواب دے دیا تھا۔ اللہ بیگم صاحبہ کو خوش رکھے۔ان کی مہربانی سے آپ ہی کے قدموں میں جگہ مل گئی۔ (میاؤں میاؤں۔ دیور کی ہنسی)

بیگم: سُنا۔ بلّی آتے ہی گھر میں ایسی بے تکلفی سے پھرنے لگی گویا عرصے سے یہیں رہی ہے۔ میں بلاتی ہوں۔پسی پسی پسی!

(ماخوذ از "سید امتیاز علی تاج کے یک بابی ڈرامے")

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(ا) بلّی کا رنگ سیاہ کیسے ہوا؟

(۲) اُمیدوار نے بیگم کی بلّی کو ٹھکانے لگانے کے لیے کتنی رقم طلب کی ؟
(۳) میاں بلّی سے کیوں بےزار تھا ؟
(۴) میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے کیوں بھیجا ؟
(۵) بیگم نے خریداری کی رقم کا کیا کیا ؟

سوال نمبر۲ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) میاں کو گھر کے لیے ضرورت تھی:
(الف)ڈرائیور کی (ب)باورچی کی (ج)مالی کی (د)چوکیدار کی

(۲) میاں نے بلّی کو بند کردیا تھا :
(الف)کمرے میں (ب)باورچی خانے میں
(ج)کوئلوں کی کوٹھری میں (د)غُسل خانے میں

(۳) میاں نے بلّی کو ٹھکانے لگانے کے لیے انعام مقرر کیا تھا:
(الف)اَٹھنی (ب)ایک روپیا (ج)دو روپے (د)تین روپے

(۴) میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے دیے:
(الف)پانچ روپے (ب)دس روپے (ج)پندرہ روپے (د)بیس روپے

(۵) بلّی تو ہورہی تھی:
(الف)لال سُرخ (ب)کالی سیاہ (ج)نیلی پیلی (د)لال گلابی

سوال نمبر۳ : ذیل کے الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

خیالِ خام	دم مارنا	مبالغہ آرائی	رختِ سفر	مشیتِ ایزدی	کشیدہ

سوال نمبر۴ : آپ کو اس ڈرامے کا کون سا کردار پسند آیا، پسندیدگی کی وجہ بیان کیجیے۔

سوال نمبر۵ : اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۶ : مندرجہ ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالۂ متن کیجیے:

(الف) ”بہ خدا جب سے وہ سبز قدم گھر میں آئی تھی تمھاری بھابی کے لیے میں تو جیسے کوئی شے ہی نہیں رہا تھا۔“

(ب) ”میرا اطمینانِ قلب غارت تھا۔ میرے تعلقات ہم سایوں اور کئی دوسرے لوگوں سے تو کیا خود اپنی بیوی سے کشیدہ ہوگئے تھے۔“

سوال نمبر۷ : غلط فقرات کی دُرستی کیجیے:

(الف) یہ میاں ہے وہ بلّی
(ب) سینے میں میرے تو دل ہے
(ج) سمجھتے تم ہو کر رہا ہوں میں مبالغہ آرائی

سرگرمیاں

- طلبہ اپنے کالج میں ہونے والے کھیلوں کی رپورٹ تحریر کریں گے اور اپنے استاد کو دکھائیں گے۔
- اس سبق میں جو محاورے استعمال ہوئے ہیں انھیں نوٹ کرکے اپنے جملوں میں استعمال کریں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو رپورٹ لکھنے کا طریقہ بتائیے۔
- طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے اور ضروری ہو تو اصلاح کیجیے۔

مستنصر حسین تارڑ

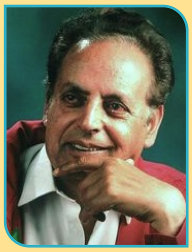

- **پیدائش :** یکم مارچ ۱۹۳۹ء منڈی بہاؤالدین
- **تصانیف :** اُندلس میں اجنبی، بہاؤ، قلعہ جنگی، نکلے تری تلاش میں۔ شہپر

تھر کی نادیہ کمانچی
وہ اولمپک گولڈ میڈل جیت سکتی تھی

حاصلاتِ تعلُّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) استحسانی اور تنقیدی گفتگو سُن کر سمجھ سکیں۔ (۲) کھیلوں اور معاشرتی مسائل پر اخبار کے مدیر/متعلقہ محکمے کو رپورٹ لکھ کر بھیج سکیں۔(۳) نثر میں رموز و اوقاف کا درست استعمال کرسکیں۔ (۴) کہانی، انشائیہ یا مضمون وغیرہ لکھ سکیں۔ (۵) کسی سفر کا حال تفصیل سے بیان کرسکیں۔ (۶) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج ،کردار یا واقعات کی تشریح استحسانی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۷) متعلق فعل کی تفہیم واستعمال کرسکیں اور ان میں امتیاز کرسکیں۔

ہم نے آج بہت دور جانا تھا۔

ہم ننگر پارکر کی جانب سفر کرتے تھے۔

اور پھر دیدہ دل نے حسبِ وعدہ اپنی پراڈو کا رُخ موڑا اور دائیں جانب جو چٹانوں کا ایک عُجوبہ سرخ جہاں تھا اس کے اندر کا سفر اختیار کیا ۔۔ ہم کارونجھر کے چٹانی سلسلے کے اندر سفرکرتے گئے۔۔

عجب چٹانی سلسلہ تھا، صحراؤں کے درمیان میں آسٹریلیا کی الورو چٹان کی مانند شاید آسمانوں سے اترا ہوا مقدس چٹانی سلسلہ۔۔ بہ ظاہر خشک اور چٹیل لیکن اس کے اندر خنک اور میٹھے پانیوں کے ذخیرے پوشیدہ تھے۔۔

اور تب ہم اس کی آخری بلندی پر پھیلی ہوئی ایک ہم وار سطح پر آگئے ۔۔یہاں سے آگے صرف چٹانوں کے انبار تھے۔

آس پاس بے آب و گیاہ چٹانی حصار بلند ہوتے تھے اور تیز ہوائیں۔ سِسکیاں بھرتی تھیں ۔۔۔

ہم واپس ہونے ہی کو تھے کہ ایک کھائی کی خاردار جھاڑیوں میں سے تین بچےّ بھتنوں کی مانند نمودار ہوگئے۔ اُن کے ہاتھوں

میں درانتیاں تھیں اور چہروں پر غُربت اور صحرائی دُھوپوں کی کالک ملی ہوئی تھی، اُن کی شکلیں جلی ہوئی تھیں۔ ہمارے آس پاس منڈلاتے وہ تھری زبان میں فریادیں کرنے لگے اور دیدہ دل مُترَجم ہوگیا۔

''ہم ننگر پارکر کے بچّے ہیں۔ ہم اس چٹانی سلسلے کی کوکھ میں اُگنے والے درختوں کی ٹہنیاں توڑتے ہیں، سُوکھ چکی جھاڑیاں جمع کرتے ہیں اور اس ایندھن کو ننگرپارکر کے بازار میں فروخت کرتے ہیں۔''

''کتنے پیسے مل جاتے ہیں؟''

''کبھی دس بیس اور کبھی پورے سو روپے۔۔''

اُن میں سے ایک بچّی جو شاید آٹھ دس برس کی ہوگی، چہرہ دُھوپ جلا اور ہونٹ سُوکھے ہوئے، بدن پر ماس بہت کم، میلی کچیلی بالکل جھجکتی نہ تھی، بے دھڑک اپنی درانتی لہراتی ہوئی کچھ ہم سے کہتی تھی اور بلندی کی جانب اشارے کرتی تھی ۔۔ دیدہ دل نے ترجمانی کی کہ ''سائیں یہ لڑکی کہتی ہے کہ اس چٹانی سلسلے کی جو بلند ترین چوٹی ہے وہاں جہاں ایک جھنڈا لہرا رہا ہے میں وہاں تک چٹانوں کو ٹاپتی کُودتی صرف تین منٹ میں پہنچ سکتی ہوں اور جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آسکتی ہوں ۔''

یہ جلے ہوئے غربت زدہ چہرے والی لڑکی بہت کائیاں تھی، ہمیں بے وقوف بنا رہی تھی ۔۔۔ مجھے کچھ نہ کچھ تو اندازہ تھا کہ ایسی چٹانوں پر اُترنا چڑھنا خالہ جی کا گھر تو نہ تھا، آسان کھیل نہ تھا، اس میں آسانی سے جان جاسکتی ہے۔۔۔ کوہِ کارونجھر کی وہ جو آخری چٹان کی بلندی نظر آتی تھی جہاں ایک پھَریرا پھڑپھڑاتا ہے، وہاں تک تو بین الاقوامی شہرت یافتہ کوئی راک کلائمبر (Rock Climber) ہی پہنچ سکتا ہے۔ لیکن تین منٹ میں تو نہیں، کم از کم پندرہ منٹ میں۔۔ تو یہ سُوکھی سڑی دھوپ جلی لڑکی کہاں وہاں پہنچنے والی تھی اور وہ بھی تین منٹ میں۔۔

''کیوں سائیں۔'' دیدہ دُل مجھ سے مخاطب ہوا۔۔ ''تماشا کرتے ہیں۔ اسے کہو کہ جائے۔''

میں نے گھڑی پر وقت کا تعَیُّن کیا۔ وہ دھوپ جلی لڑکی دیدہ دل کا اشارہ پاتے ہی انسان کے رُوپ سے جدا ہو کر ایک بندریا ہوگئی، ننگے پاؤں بھاگتی پہلے وہ راستے سے اتر کر کھائی کے اندر غائب ہوگئی، پھر یک دَم ظاہر ہوئی اور اُچھلتی کُودتی چٹانوں پر چڑھتی بڑے پتھروں کو پھلانگتی، کبھی اُن میں اوجھل ہوجاتی اور کبھی کسی چٹان کی اوٹ میں سے نمودار ہوجاتی۔۔

کامران نہ صرف باکمال فوٹوگرافر تھا بلکہ ایک تجربے کار کوہ نوَرد بھی تھا، اس نے شدید ہزیمت محسوس کی کہ ایک چھِینٹ سی بچّی کی یہ جرأت، چناں چہ اُس نے بھی کمر کس لی اور وہ بھی چٹانوں کے اندر چلاگیا۔ اُس کا بھاری وجود حیرت انگیز پُھرتی کے ساتھ اُس چٹانی بلندی پر چڑھتا گیا۔

ہم دیکھ رہے تھے کہ وہ بندریا اب ہم سے اتنی دُور ہوچکی ہے کہ ایک چھوٹی سی گلہری لگتی تھی جو چٹانوں پر

پُھدک رہی تھی -- تب وہ ایک مرتبہ پھر اوجھل ہوئی اور کچھ لمحوں بعد چٹانوں کی آخری بلندی پر لہراتے پھَریرے کے برابر میں کھڑی ہمیں ہاتھ ہلارہی تھی۔ میں نے گھڑی چیک کی تو، پورے تین منٹ۔

اگلے لمحے وہ اُسی طور اُچھلتی کودتی ننگے پاؤں چٹانوں سے اُترتی واپس آرہی تھی ۔ اور تب کامران نے ابھی فاصلہ بھی طے نہ کیا تھا۔

وہ کھائی میں سے برآمد ہوئی اور بھاگتی ہوئی ہمارے پاس پہنچ کر ہمیں داد طلب آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ پورے دومنٹ کل پانچ منٹ۔ اور وہ ہانپ نہیں رہی تھی، اُس کا سانس چڑھا ہوا نہیں تھا۔

تمھارا نام کیا ہے؟

نادیہ۔

پڑھتی ہو ؟

نہیں۔

کیا کرتی ہو؟

لکڑیاں چُنتی ہوں۔۔درانتی سے خشک جھاڑیاں اور گھاس کاٹتی ہوں، ننگر پارکر کے بازار میں سو روپے ہوجاتے ہیں۔

یہاں جو لوگ آتے ہیں سیرکرنےتو آپ انھیں یہ کرتب دکھاتی ہو۔ پانچ منٹ میں اس جھنڈے کو ہاتھ لگا کر واپس آجاتی ہو۔

ہاں۔

اور وہ کچھ پیسے انعام کے طور پر دیتے ہیں۔

کبھی نہیں دیتے۔

بہ ہرطور ہم نے اُسے مناسب انعام دیا۔

دوسرے بچّے بھی چٹان کی بلندی پر پہنچ کر صرف پانچ منٹ میں واپس آجاتے ہیں ؟

نہیں۔کوئی نہیں۔ صرف میں۔

یہ بچّی مشہورِ عالَم جمناسٹ نادیہ کمانچی سے کم تو نہ تھی۔۔ اگرچہ یہ بھی نادیہ تھی۔ رومانیہ کی نہ تھی، صحرائے تھر کی تھی اور لکڑیاں بیچتی تھی۔

جب وہ ننگے پاؤں ایک آہو کی مانند چٹانوں پر قُلانچیں بھرتی تھی تو مجھے ایتھوپیا کا ننگے پاؤں والا بکیلا یاد آتا تھا۔وہ روزانہ اولمپک کی طویل ترین دوڑ مراتھون سے بھی زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے۔۔ اس کی مناسب ٹریننگ کی گئی اور اسے ایتھوپیا کی جانب سے روم اولمپک میں شامل ہونے کے لیے بھیج دیا گیا۔ میں نے روم اولمپک کی وہ مراتھون دوڑ ٹیلی وژن پر بہ راہِ راست دیکھی تھی۔ سیکڑوں کھلاڑیوں میں سے یک دم ننگے پاؤں دوڑتا بکیلا آگے نکلتاہےاوروہ ایک مخصوص رفتار سےاور نہایت خوب صورت انداز میں قُلانچیں بھرتا بھاگتا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ سب کھلاڑی بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور جب وہ دوڑ کے اختتام پر اولمپک اسٹیڈیم میں داخل ہوتا ہے اور آخری لائن عبور کر جاتا ہے تو بھی رُکتا نہیں۔ بھاگتا ہوا اسٹیڈیم کے چکر لگانے لگتا ہے اور تماشائی حیرت میں ڈوبے ہوئے اپنی نِشستوں سے کھڑے ہو کرتالیاں بجاتے چلے جاتے ہیں اور بکیلا بھاگتا چلاجاتا ہے، بہت دیربعد اُس دوڑ میں شامل ایک اور کھلاڑی ہانپتا کانپتا اسٹیڈیم میں داخل ہوتا ہے۔

وہ جب ایتھوپیا واپس جاتا ہے تواُس ملک کے پہلے سونے کا اولمپک تمغا جیتنے والے کے استقبال کے لیے پورا ملک اُمڈ آتا ہے۔ اُسے پھولوں سے آراستہ ایک فلوٹ پر بٹھایا جاتا ہے اور اُس کے دونوں جانب ایتھوپیا کے قومی نشان سچ مچ کے دو شیر براجمان ہیں۔۔ شہنشاہ ذاتی طور پر اُس کا استقبال کرتا ہے اور اُسے حفاظتی دستے کا سالار مقرر کر دیا جاتا ہے، اِنعام و اِکرام کی بارش ہوگئی۔۔ بکیلا نے بعدازاں مُتعَدَّد اولمپک مراتھون دوڑیں ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے جیتیں اور پھر وہ اپنی اسپورٹس کار کے حادثے میں زندگی بھر کے لیے اپاہج ہوگیا اور بقیہ حیات ایک وھیل چیئر میں بسر کی۔

مجھے یقین ہے کہ اس لکڑیاں چُننے والی تھری، دھوپ جلی نادیہ کو اگر مناسب تربیت دی جائے تو وہ مراتھون یا کسی ہَرڈَل ریس میں شریک ہوکر پاکستان کے لیے اولمپک کا اس نوعیت کا پہلا گولڈ میڈل حاصل کر سکتی ہے اگرچہ یہ خوابِ خام ہے۔

(ماخوذ از : سفر سندھ کے - اور سندھ بہتا رہا)

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) کارونجھر پہاڑی سلسلہ کس جگہ واقع ہے ؟

(۲) مصنف نے ننگر پارکر کی منظر کشی کس طرح کی ہے ؟

(۳) تھر کی بچی کس بات کا دعویٰ کر رہی تھی ؟

(۴) تھر کی نادیہ کماچی کے کردار پر روشنی ڈالیے ؟

(۵) مصنف نے تھر کی بچی کو کس عالمی شہرت یافتہ لڑکی کے مترادف مانا ؟ اور کیوں ؟

(۶) ایتھوپیا کے کس شخص کا مصنف نے ذکر کیا ہے ؟ اور کیوں ؟
(۷) آپ سندھ کے کسی اور شہر کی روداد سفرنامے کے انداز میں تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۲ : اس سبق میں کتنے محاورے استعمال ہوئے ہیں ؟ آپ اُن میں سے کوئی بھی تین اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

سوال نمبر۳ : اس سبق کا مرکزی خیال اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

سوال نمبر۴ : اس سبق میں کتنے ملکوں، شہروں اور جگہوں کا ذکر کیا گیا ہے ؟ اور کیوں ؟

سوال نمبر۵ : ذیل کے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

حسبِ وعدہ	بے آب و گیاہ	عجوبہ	کائیاں	عبور کرنا	چٹیل

مرکب مصادر :

ایسے تمام مصادر کو جو دوسری زبانوں کے الفاظ کے آخر میں مصدر کی علامت ”نا“ زیادہ کرکے یا دوسری زبانوں کے الفاظ کے بعد اُردو مصدر لگا کر بنالیے جاتے ہیں مرکب مصادر کہتے ہیں۔

مثالیں : تشریف لانا ۔ سیر کرنا ۔ گرمانا ۔ کفنانا وغیرہ

سوال نمبر ٦ : آپ اسی طرح ”مرکب مصادر“ کی چند مثالیں تلاش کیجیے۔

سرگرمی

- طلبہ مشہور جمناسٹ ”نادیہ کمانچی“ پر ایک نوٹ تحریر کریں گے۔

سفر نامے میں سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ سیّاح اپنے سفر کے دوران جن مقامات کی سیر کرتا ہے، وہاں جو کچھ دیکھتا ہے اسے سفر نامے میں پیش کردیتا ہے۔ سفر نامہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے سچائی کے ساتھ احوال و کوائف قلم بند کرے۔ اس کا اندازِ بیان بھی دلچسپ ہونا چاہیے تاکہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے۔

براۓ اساتذہ

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے دیکھا کہ اس کی پنڈلی پر بال نہیں
تھے۔

- طلبہ کو جمناسٹ ”نادیہ کمانچی“ کے متعلق معلومات فراہم کیجیے ۔

قمر علی عباسی

- پیدائش : جون - ۱۹۳۸ء امروہہ
- وفات : مئی - ۲۰۱۳ء نیویارک
- تصانیف : لندن لندن، دلی دور ہے، چلا مسافر سنگاپور، برطانیہ چلیں، اِک بار چلو وینس، نیل کے ساحل، بغداد زندہ باد، میکسکو کے میلے، شام تجھے سلام، ذکر جل پری کا، اور دیوار گرگئی، سنگاپور کی سیر، عُمان کے مہمان

ملکہ بلقیس کا محل

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (ا) بات درمیان سے سُن کر سیاق و سبق سمجھے اور موضوع سمجھا سکیں۔ (۲) نثر کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجے، رموز و اوقاف، اعتماد، زیرو بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) ادب پڑھ کر تخلیقی صلاحیتیں پیدا کرسکیں۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ مواد پڑھ کر سمجھ سکیں۔ (۴) کسی ادب پارے کے حسن و قبح کا اندازہ کرسکیں۔ (۵) مختلف اسالیب کی تحریریں مرتب کرکے پیش کرسکیں۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام کا دربار سجا تھا۔ جنّ، انسان، چرند، پرند حاضر تھے۔ ان کے سر پر طوطے سایہ کیے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے دیکھا ہُدہُد غائب ہے۔

"ہُدہُد کہاں ہے -----؟"

کوئی جواب نہ دے سکا۔ حضرت سلیمان غصّے میں بولے:

"اس نے جان بوجھ کر دربار سے غیر حاضری کی ہے۔ سخت سزا دی جائے گی۔"

عُقاب کو حکم دیا:

"تلاش کرکے پیش کیا جائے۔"

عقاب پلک جھپکتے اُڑا، ذرا دیر میں ہُدہُد کو دربار میں پیش کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے پوچھا:

"تو نے دربار سے غیر حاضر ہونے کی ہمت کیوں کی۔ وجہ بیان کی جائے۔"

"آپ کے لیے ایک خبر لایا ہوں۔" ہُدہُد نے کہا۔

"خبر! کیسی -----؟"

"میں شہرسبا گیا تھا۔"

"کیوں۔۔۔۔۔؟ وہاں کیا خبرہے ۔۔۔۔ سنا"

"آپ تخت سے آرام کرنے اُترے، میں باغ کی دیوار پر جا بیٹھا۔ وہاں ایک ہُد ہُد آیا۔ اجنبی تھا۔" میں نے دریافت کیا۔ "کہاں سے آیا ہے۔" اس نے بتایا۔ "میں شہرسبا کا رہنے والا ہوں۔ جہاں کی حکم راں ملکہ بلقیس ہے۔ اس کے تابع ۱۲ ہزار سردار ہیں۔ ہر سردار کے پاس ایک لاکھ سوار، پیادے جواں مرد ہروقت تیار رہتے ہیں۔" مجھے یقین نہیں آیا۔ وہ بولا "میرے ساتھ چلو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔" ۔۔۔۔۔"میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ وہاں بلقیس دخترِ نزّا جیل کو دیکھا۔ حسن و جمال میں بے مثال، عقل و فراست میں لاثانی۔ شان وشوکت میں باکمال۔ ۳۰ گز کے تخت پر بیٹھی تھی۔ جواہرات سے مرصّع چاروں پائے یاقوتِ سرخ، زمرّد آب دار لعل مثلِ انار اس میں جڑے تھے۔ کنواری دوشیزہ، لیکن بے دین۔"

"اس کے بے دین ہونے کا تونے کیسے جانا۔۔۔۔" حضرت سلیمان علیہ السّلام نے پوچھا۔

"دربار کے لوگ ملکہ بلقیس کو سجدہ کرتے تھے۔ ملکہ آفتاب کے سامنے جھکتی ہے۔" ہُدہُد بولا۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام سوچنے لگے، پھر بولے:

"تو جاکر اسے اللہ کا پیغام پہنچادے۔"

"مجھےشاہی پوشاک عطا ہو جو میری اولاد بھی استعمال کرتی رہے۔" ہُدہُد نے عرض کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ہُدہُد کو تحفہ دیا۔ اس کے سر پر تاج بنا دیا جو آج تک ہُدہُد کے سر پر نظر آتا ہے۔ اللہ نے ہُدہُد کو زمین میں پانی کی نشان دہی کی صلاحیت دی تھی، حضرت سلیمان علیہ السّلام اسے اپنے پاس رکھتے تھے۔ جب پانی کی تلاش ہوتی، یہ راہ نمائی کرتا۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ملکہ بلقیس کے نام خط تیار کیا۔ ہُدہُد اپنی چونچ میں لے کر اُڑ گیا۔

فاصلہ زیادہ تھا، وہ رُکتا، اُڑتا شہر جا پہنچا۔ قصر کے دروازے بند تھے۔ اتفاق سے ایک کھڑکی کھلی تھی۔ ہُدہُد اندر گیا ملکہ بلقیس محو خواب تھی۔ ہُدہُد نے خط رکھا اور واپس آگیا۔

ملکہ بلقیس اُٹھیں، خط دیکھ کر حیران ہوئیں۔ دوسرے دن دربار میں اپنے سرداروں سے کہا۔

"حضرت سلیمان طاقت ور بادشاہ ہیں۔ جہاں حملہ کرتے ہیں اُسے برباد کردیتے ہیں۔ ان کی طاقت کے سامنے کوئی کھڑانہیں ہو سکتا۔ حضرت سلیمان نے اللہ کا مذہب اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔"

درباریوں نے ایک زبان ہو کر کہا:

"ملکہ آپ صاحب عقل و فراست ہیں، شعوروآگہی رکھتی ہیں، جو فیصلہ کریں منظور ہے۔"

ملکہ نے کہا:

"میں اُنھیں تحفے بھیجوں گی اگر سچّے پیغمبر ہیں تو بے دین سے قبول نہیں کریں گے۔"

ملکہ بلقیس نے قیمتی تحفے، سات سونے چاندی کی اینٹیں، سات زربفت کے تھان بھجوائے۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام ایک ہزار وزیروں، اَن گِنت پرندوں کے ساتھ دربار کر رہے تھے۔ ہوا نے اطلاع دی، ملکہ بلقیس کے تحفے آرہے ہیں۔ حضرت سلیمان نے خادموں کو حکم دیا۔ میدان میں بنی دیوار سے سات سونے چاندی کی اینٹیں سات زربفت کے تھان لائے جائیں۔

ملکہ کے قاصد دربار میں پہنچے تو شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ خیال کیا، یہ نہ سمجھا جائے دیوار سے اینٹیں ہم نے چرالی ہیں۔ تحفے کیسے پیش کریں۔ دُور سے آئے تھے ملکہ کا حکم تھا، تحفے پیش کیے۔

حضرت سلیمان نے تحفے قبول نہیں کیے۔ پیغام بھیجا۔

"اللہ نے سب کچھ دیا ہے۔ اللہ کا دین قبول کرو۔ اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔"

ملکہ بلقیس نے تحفے واپس دیکھے، پیغام سنا تو بولیں:

"بے شک وہ نبی ہیں۔ جب تک کوئی معجزہ نہ دکھائیں میں اللہ کا دین قبول نہیں کروں گی۔"

ملکہ نے ایک سو غلام لونڈی، ایک لباس، ایک شکل کے اور کچھ پہیلیاں بھیجیں۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام اس آزمایش میں کام یاب ہوئے۔

ملکہ نے ان کی خدمت میں آنے کا قصد کیا۔ آپ نے ایک جن بھیجا معلومات حاصل کرنے۔ چند دن بعد جن لوٹ آیا۔ خبر دی ملکہ کی ماں کا تعلق جن کے قبیلے سے ہے۔ عقل میں کم ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے پانی میں مچھلیاں، مرغابیاں چھوڑ دیں اس پر شیشے کا فرش بنوایا۔

ایک جن سے ملکہ کا تخت منگوایا۔ اس کے ہیرے جواہرات کی ترتیب اور جڑاؤ بدل دی تاکہ وہ پہچان نہ سکے۔ ملکہ بلقیس صلالہ پہنچی، محل تعمیر کرایا، قیام کیا۔ لوبان خریدا، شام روانہ ہوئی۔ ملکہ دربار پہنچی تو سمجھی فرش پر پانی ہے۔ اپنا لباس اُوپر اُٹھایا۔حضرت سلیمان علیہ السّلام نے دیکھا کہ اس کی پنڈلی پر بال نہیں تھے۔

ملکہ تخت کے نزدیک آئی۔ فوراً پہچان لیا۔

"یہ میرا تخت ہے، میں جانتی ہوں۔ یہاں کیسے آیا۔"

جن کی دونوں اطلاعات غلط تھیں۔ اس کی پنڈلی پر کالے بال نہیں تھے۔ نہ بے وقوف تھی۔ اس جن کو کیا سزا ملی یہ کہیں نہیں لکھا۔ لیکن غالباً بوتل میں وہی جن ہوگا۔

ہر دور میں قاصد خادم ایسے ہوتے ہیں جو غلط خبریں اوراطلاع مالک کو پہنچاتے ہیں۔

ملکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام سے متاثر ہوئی۔

”میں آپ کا دین قبول کرتی ہوں۔ آپ اللہ کے نبی ہیں۔“

ایک دن ملکہ نے کہا: ”آپ تخت پر آسمانوں میں اُڑتے جگہ جگہ جاتے ہیں، میں سات دریاؤں کے جزیرے میں جانا چاہتی ہوں۔ جہاں دریائی گھوڑے ہوتے ہیں۔ پروں سے ہوا میں اُڑتے ہیں۔“

حضرت سلیمان علیہ السّلام ملکہ کو لے کر اس جزیرے میں پہنچے۔ وہاں حسین جھیل تھی۔ سبزہ و گل، میوہ جات تھے۔ ملکہ نے دریائی اُڑن گھوڑوں کی فرمایش کی۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے حکم دیا۔

جن ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ ”یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ لیکن ایک جِن ہے جو آپ سے نافرمانی کرکے سمندر میں جا چھپا ہے۔ اگر اسے اطلاع کی جائے کہ آپ کا انتقال ہوگیا ہے وہ آجائے گا۔ اس کے اختیار میں اُڑنے والے گھوڑے پکڑنے کا فن ہے۔“

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اجازت دے دی۔

جِنّ نے خبر سنی، سمندر سے چھلانگ لگا کر باہر آ گیا۔ خوش ہونے لگا۔ اسے باندھ کر حضرت کے سامنے پیش کردیا۔ جِنّ نے معافی مانگی۔ حضرت نے گھوڑے لانے کے لیے کہا۔ جِنّ ۴۰ گھوڑے باندھ کر لے آیا جو حسین خوب صورت بانکے تھے۔ ملکہ خوش ہوگئی۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے حکم دیا : ”ان کے پر کاٹ دیے جائیں۔“ دعا کی دوبارہ نہ آئیں۔ ایسا ہی ہوا۔ کہتے ہیں موجودہ سب تازی نسل کے گھوڑے وہی پروں والے دریائی گھوڑے ہیں۔ ملکہ بلقیس کو ملکہ سبا بھی کہا جاتا ہے۔ طویل عرصے اُنھوں نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزاردی۔

(ماخوذ از: عُمان کے مہمان)

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) حضرت سلیمانؑ دربار میں ہُدہُد کیوں غیر حاضر تھا ؟
(۲) ہُدہُد کو کیا تحفہ دیا گیا ؟
(۳) ہُدہُد نے ملکہ سبا کے محل کی کیا منظر کشی کی ؟
(۴) ملکہ سبا نے تحفتًا حضرت سلیمان علیہ السّلام کو کیا کیا اشیا بھجوائیں ؟
(۵) حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے تحفے کیوں قبول نہیں کیے ؟
(۶) جِن نے ملکہ سبا سے متعلق کیا معلومات فراہم کی تھیں ؟

سوال نمبر۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں استعمال کیجیے:

تابع	حسن و جمال	عقل و فراست	آگہی	مرصّع	معجزہ	باقیات

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) حضرت سلیمان علیہ السّلام کو غلط اطلاعات فراہم کیں:
(الف)ہُدہُد نے (ب)جِن نے (ج)عُقاب نے (د)توتے نے

(۲) ہُدہُد کو زمین سے تلاش کرنے کی صلاحیت حاصل تھی:
(الف)پانی (ب)سونا (ج)ہیرے (د)آب دار موتی

(۳) حضرت سلیمان علیہ السّلام نے پَر کاٹنے کا حکم دیا:
(الف)عُقاب کے (ب)توتے کے (ج)ہُدہُد کے (د)گھوڑوں کے

(۴) حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرش بنوایا:
(الف) شیشے کا (ب)قالین کا (ج)سونے کا (د)پانی کا

(۵) جِن سمندر سے نکال لایا:
(الف)گھوڑوں کو (ب)مُرغابیوں کو (ج)مچھلیوں کو (د)پرندوں کو

سرگرمیاں

- طلبہ کمرۂ جماعت میں حضرت سلیمان علیہ السّلام کو اللہ کے عطا کردہ معجزات پر ایک نوٹ تحریر کریں گے۔
- حضرت سلیمان علیہ السّلام کا واقعہ سورۂ نمل میں مذکور ہے۔ طلبہ سورۂ نمل سے یہ واقعہ تلاش کر کے کمرۂ جماعت میں سنائیں گے۔
- طلبہ یہ واقعہ خوش خط تحریر کریں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو سفر نامے کی صنف کے بارے میں بتائیے۔
- طلبہ کو اس سفر نامے کی فنّی خوبیوں اور خامیوں کے متعلق بتائیے۔

شوکت تھانوی

- **پیدائش:** فروری ۱۹۰۴ء ورنداون (ہندوستان)
- **وفات:** مئی ۱۹۶۳ء لاہور
- **تصانیف:** (الف) ناول: غزالہ، سانچ کو آنچ، بھابی، سسرال، بقراط، بکواس، بیگم صاحبہ، خدانخواستہ
(ب) مزاح: سیلابِ تبسم، دنیاے تبسّم، طوفانِ تبسّم، برقِ تبسّم، بحرِ تبسّم

خواہ مخواہ کی لڑائی

حاصلاتِ تعلّم یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) سُن کر بات/کہانی/مکالمے کی جزئیات کو ترتیب سے یاد رکھ سکیں اور اسے دہراسکیں۔ (۲) مختلف ادبی اصطلاحات پر گفتگو کرسکیں۔ (۳) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج، کردار یا واقعات کی تشریح استحسانی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۴) روزمرہ مسائل زندگی کے حوالے سے غیر رسمی خطوط لکھ سکیں۔(۵) درسی کتاب میں شامل اصلاحی، تاریخی، تمثیلی، سائنسی اور مزاحیہ مضامین کا تقابلی جائزہ کرسکیں۔ (۶)متعلق فعل کی تفہیم و استعمال سے آگاہ ہوسکیں۔

خواہ مخواہ کی لڑائی دراصل لڑائی کی کوئی قسم نہیں بلکہ اگر سچ پوچھیے تو لڑائی کی فطرت ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی لڑائی کی گہرائی میں پہنچ کر اگر آپ محققانہ نظر ڈالیں تو جڑ ہمیشہ خواہ مخواہ کو پائیں گے۔ دراصل خالص قسم کی لڑائی ہمیشہ خواہ مخواہ سے شروع ہوتی ہے۔ ورنہ جو لڑائیاں کسی وجہ کی بنا پر لڑی جاتی ہیں ان کو اصولاً لڑائی کہنا ہی غلط ہے۔ ان کو انتقام، انتظام، تبادلۂ خیال، بیت بازی، مباحثہ یا زیادہ سے زیادہ مقابلہ کہا جا سکتا ہے۔ مگر لڑائی تو اس وجدانِ آتشیں کو کہتے ہیں۔ جس کی نہ کوئی وجہ ہو نہ کوئی سبب، بس اتنا ہی کافی ہے، آؤ پڑوسن لڑیں۔ اس نے کہا: لڑے میری بلا۔ چیخ کر جواب دیا: بلا لگے تیرے سگّے سوتیلوں کو۔ اور لیجیے لڑائی شروع ہو گئی۔ اس لڑائی میں تو تکار۔ اس کے بعد گالم گلوچ پھر کنکر پتھر۔ اس کے بعد لپّا ڈگّی، دھینگا مُشتی اور آخر میں خون خرابے تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ جیسی بھی خدا لڑنے والوں کو توفیق دے۔ مختصر یہ کہ بعد میں تھانا اور عدالت سب ہی کچھ ہوگا۔ مگر اس لفظ "خواہ مخواہ" کا کوئی بھی شکریہ ادا نہ کرے گا جس کی بہ دولت ایسی رونق نصیب ہوسکی۔

ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ لڑائی کا مزہ بھی خواہ مخواہ کی لڑائی میں ہے۔ یعنی لڑنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہے۔ بلکہ دو لڑنے والوں کو تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر عبرت حاصل کر رہے ہیں کہ لَاحَولَ وَلَاقُوَّةَ یہ بھی کوئی انسانیت ہے کہ سرِ راہ بے بات کی بات پر یہ دونوں ہنگامہ برپا کیے ہوئے ہیں۔ نہ باپ دادا کی عزت کا خیال، نہ اپنے سفید پوش ہونے کا ہوش۔ کتنی شرم کی بات ہے۔ اپنے قریب ہی ایک اور صاحب کو اسی طرح عبرت حاصل کرتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہہ دیا: "رونا آتا ہے اس نا سمجھی پر۔ آخر ایسے لڑنے کی کون سی بات تھی۔" اُن صاحب نے گرج کر ہم پر برستے ہوئے کہا: "جی ہاں! کوئی بات ہی نہ تھی۔" ہم نے کہا: "معاف کیجیے گا، میرا مطلب۔۔۔" بات کاٹ کر بولے: "رہنے بھی دو، چلے ہیں وہاں سے مطلب لے کر۔"

ہم نے ان کے منھ نہ لگتے ہوئے ایک اور صاحب سے کہہ دیا کہ "ذرا ملاحظہ فرمائیے آپ کی تیزی" یہ سننا تھا کہ وہی صاحب جو آپے سے باہر ہوئے جا رہے تھے، ایک دم آستینیں چڑھا کر سامنے ہی تو آ گئے۔ "تیزی، تیزی کہو تو دکھا دوں ؟ یہ سارا ملمّع یہیں اُتار کر نہ رکھ دیا ہو تو نام بدل دینا۔ ڈھائی آنے گز کی مارکین کا پتلون کیا پہن لیا ہے کہ اوقات بھول گئے۔" اب آخر کہاں تک ضبط کرتے جوش میں کہہ بیٹھے کہ "زبان سنبھال کر بات کرو جی۔" وہ صاحب گویا منتظر ہی تھے۔ زبان تو خیر سنبھال لی مگر خود کو نہ سنبھال سکے اور جھپٹے اس طرح کہ گویا مار ہی تو ڈالیں گے۔ مگر خدا بھلا کرے بیچ بچاؤ کرنے والوں کا۔ کچھ اُن کو پکڑ کر لے گئے کچھ ہم کو چمکارتے ہوئے آگے بڑھے کہ بابو جی آپ ہی غم کھائیے، جو لڑائی پہلے سے ہو رہی تھی اس کا کیا خدا جانے نتیجہ ہوا۔ مگر یہ خواہ مخواہ کی لڑائی خواہ مخواہ شروع ہو کر خواہ مخواہ ہی ختم ہوگئی۔ بہ ہر حال اس وقت نہ سہی مگر اب اس لڑائی کے متعلق جتنا غور کرتے ہیں اسی قدر طبیعت خوش ہوتی ہے کہ ہاں یہ تھی خالص لڑائی جو دو بے لوث لڑنے والوں کے درمیان کسی مقصد یا غرض سے نہیں ہوئی بلکہ لڑائی کے آرٹ کی خدمت کے طور پر ہم دونوں لڑے۔ مگر افسوس ہے کہ دنیا سے ہماری یہ خدمت نہ دیکھی جا سکی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا۔ ورنہ ہم دونوں میں سے ایک فن کی اس بے لوث خدمت میں مر کر لڑائی کی تاریخ میں زندہ رہ جاتا اور آنے والی نسلیں اس شہیدِ فن کا نام عزت اور احترام سے لیتیں۔

خواہ مخواہ کی لڑائی کا تھوڑا بہت تجربہ تو خیر سب کو ہوگا۔ مگر ہم نے اس فن میں خاص طور پر ریاض کیا ہے۔ بہت سی خواہ مخواہ کی لڑائیاں لڑے ہیں۔ المکلف الخدمت کی حیثیت سے اور کبھی کسی اور کی دعوت پر مہمان بن کر یعنی خوامخواہ کی لڑائیوں میں اُلجھے بھی ہیں اور دوسروں کو الجھایا بھی ہے۔ لیکن ہمارا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ خوامخواہ کی لڑائی میں ناگہانی طور پر الجھ جانے میں جو لطف آتا ہے وہ کسی اور کو الجھانے میں نہیں آتا۔ ان دونوں میں آمد اور آورد کا فرق تو خیر ہے ہی لیکن اس کے علاوہ بھی الجھ جانے میں چوں کہ کوئی ارادہ نہیں ہوتا نہ کوئی تیاری ہوتی ہے، لہذا یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے چھپّر پھاڑ کر لڑائی کی دولت سے بالکل اچانک طریقے پر مالا مال کر دیا ہے۔ الجھانے میں یہ بات نہیں ہے۔ اس میں تو اپنی طرف سے ارادہ کیا معنی ایک قسم کا یقین سا ہوتا ہے کہ لڑیں گے اور لڑ کر رہیں گے۔ اس موقعے پر رہ رہ کر دعوت کی تشبیہ ذہن میں آرہی ہے کہ دعوت کرنے والے کو زیادہ لطف نہیں آتا۔ بلکہ دعوت میں حصہ لینے والے کو لطف آتا ہے۔

بہ ہرحال جو کچھ بھی ہو خواہ مخواہ کی لڑائی کی کتنی لاجواب مثال ملی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس طرح ناگہانی طور پر اپنے کو لڑائی میں گھِرا ہوا پاکر کس کو حیرت نہ ہو گی۔ دراصل اس قسم کے موقعوں پر سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ لڑائی کے داعی کو کس طرح سمجھایا جائے کہ بھائی ہم لڑنا بالکل نہیں چاہتے۔ اور آپ لاکھ سمجھائیں تو بھی وہ اپنے اخلاق سے مجبور ہوکر آپ کو اس دعوت میں شرکت پر مجبور کر ہی دیتا ہے۔ اب رہ گیا ہے الجھانا۔ اس کے متعلق ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ دراصل نتیجہ ہوتا ہے کسی اور غصّے کا۔ یعنی جب انسان کا بس دھوبی سے نہیں چلتا تو وہ گدھوں کی تلاش میں نکلتا ہے کہ اُن کے کان مروڑے مثلاً : دفتر میں صاحب نے کسی بات پر جھاڑ ڈالی۔ افسر سے ماتحت کیا کہہ سکتا ہے۔ خون کے گھونٹ پی کر رہ جائے گا۔ مگر تُرکی بہ تُرکی جواب دینے کا وہ جذبہ جو مبدءٔ فیض نے ہر افسر اور ماتحت قسم کے انسان کو یکساں طور پر عطا فرمایا ہے، دماغ میں چکّر کھا کھا کر رہ جاتا ہے۔ طبیعت مشتعل ہوتی ہے

اشتعال بہانے ڈھونڈتا ہے۔ اور بہانہ اس کو آخر کار وہی ملتا ہے جس کو ہم آپ "خواہ مخواہ" کہتے ہیں۔ چناں چہ وہ دفتر کی چار دیواری تک تو بہ مشکل صبر اور ضبط سے کام لیتا ہے۔ مگر گھر کی چار دیواری میں قدم رکھتے ہی جنگ جُو بن جاتا ہے۔ "جس دن سے یہ نوکری ملی ہے تمھارے بھائی صاحب برابر طعنے دیتے ہیں۔ جب دیکھیے مبارک باد، جب دیکھیے مبارک باد، جلے ہی جاتے ہیں بے چارے اور خود حال یہ ہے کہ نہ کام کے نہ کاج کے ڈھیر بھر اناج کے۔" غریب (بیوی) کے منھ میں بھی زبان ہوتی ہے۔ اگر کچھ بول دے تو قیامت آگئی۔ برتن ٹوٹے، کپڑے پھٹے، گڑے مردے اُکھڑے اور آخر میں دروازے پر بیوی کی ڈولی آگئی میکے جانے کے لیے۔ اور میاں کو ہوش اس وقت آیا جب بیوی جاچکی تھی۔

اس قسم کے اُلجھاوے میں اُلجھانے والے کو بعد میں ندامت بھی ہوا کرتی ہے اور اس کی سمجھ میں یہ بات خود آجاتی ہے کہ یہ خواہ مخواہ کی لڑائی تھی۔ دراصل یہی احساس سب سے زیادہ کم زور پہلو ہے۔ جس سے لڑائی کا سارا مزا کِرکِرا ہوجاتا ہے۔ لڑائی کو احساس اور سمجھ سے کیا سروکار ؟ یہ بات اُلجھنے والی صورت میں نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہمارے نزدیک وہی طریقہ افضل ہے۔

(ماخوذ از : "لاہوریات")

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) خواہ مخواہ کی لڑائی سے مصنّف کی کیا مراد ہے؟
(ب) لڑائی میں الجھنے اور الجھانے میں کیا فرق ہے؟
(ج) خواہ مخواہ کی لڑائی کا ہماری شخصیت اور ماحول پر کیا اثر ہوتا ہے؟
(د) خواہ مخواہ کی لڑائی سے دامن چھڑانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

سوال نمبر۲ : درج ذیل اقتباسات کی تشریح بہ حوالۂ متن کیجیے:

(الف) "ڈھائی آنے گز کی مارکین کا پتلون کیا پہن لیا ہے کہ اوقات بھول گئے ہیں۔"
(ب) "لڑائی کو احساس اور سمجھ سے کیا سروکار، یہ بات الجھنے والی صورت میں نہیں ہوتی۔"

سوال نمبر۳ : مضمون کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر۴ : مضمون "خواہ مخواہ کی لڑائی" سے ایسے پانچ جُملے منتخب کیجیے جن میں طنز یا مزاح کا کوئی پہلو موجود ہو۔

سوال نمبر۵ : اپنے تجربے یا تخیل کی مدد سے کسی ایسی لڑائی یا توتکار کا حال لکھیے جو بے بنیاد ہو۔

سوال نمبر۶: درج ذیل الفاظ اور محاورات کو جملوں میں استعمال کیجیے:

وہم و گمان	سرِراہ	مبدۂ فیض	ناگاہ	بے لوث
ناگہانی	خون کے گھونٹ پی کر رہ جانا	ترکی بہ ترکی جواب دینا	گڑے مُردے اکھیڑنا	آپے سے باہر ہونا

سوال نمبر۷: دی گئی امثال کی روشنی میں درج ذیل الفاظ کی تذکیر و تانیث کا تعیّن کیجیے:

مثال:	فطرت (مؤنث)	انتقام (مذکر)			
الفاظ:	مباحثہ	لپّا ڈکی	رونق	انسانیت	ہنگامہ
	طبیعت	تجربہ	لطف	اخلاق	سروکار

سوال نمبر۸: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) لڑائی ہمیشہ شروع ہوتی ہے:
(الف)لَپّا ڈُکّی سے (ب)خواہ مخواہ سے (ج)توتکار سے (د)مار پیٹ سے

(۲) ”آپے سے باہر ہونا“ ہے:
(الف)ضرب المثل (ب)روزمرّہ (ج)محاورہ (د)تشبیہ

(۳) طنز کا مقصد ہونا چاہیے:
(الف)لڑائی (ب)تکرار (ج)اصلاح (د)ایذا رسانی

(۴) ”خون کے گھونٹ پی کر رہ جانا“:
(الف)محاورہ ہے (ب)روزمرّہ ہے (ج)ضرب المثل ہے (د)تلمیح ہے

(۵) ”وہم و گمان“ ہے:
(الف)مرکبِ توصیفی (ب)مرکبِ اضافی (ج)مرکبِ عطفی (د)مرکبِ اشاری

متعلق فعل:

عرفان نے کتاب خریدی۔
عرفان نے بازار سے کتاب خریدی۔
عرفان نے کل بازار سے کتاب خریدی۔

مذکورہ جملوں کا اگر جائزہ لیاجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جملے میں عرفان فاعل ہے، کتاب مفعول اور خریدی فعل ہے۔ دوسرے جملے میں فعل کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کتاب خریدنے کا کام بازار سے کیا گیا ہے جبکہ تیسرے جملے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کتاب آج نہیں بلکہ کل خریدی گئی ہے۔

وہ تمام الفاظ جو فعل کے معنوں کی وضاحت کرتے ہیں متعلق فعل کہلاتے ہیں۔ ان جملوں میں "بازار سے" اور "کل" متعلقاتِ فعل ہیں جبکہ "نے" علامتِ فاعل ہے۔

سوال نمبر۹ : "متعلق فعل" پر مُشتمل پانچ جُملے تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ "خواہ مخواہ کی لڑائی" پر ایک خاکہ تیار کرکے کلاس میں پیش کریں گے۔
- طلبہ صلح صفائی اور اتحاد و اتفاق کے فوائد پر کمرۂ جماعت میں اظہارِ خیال کریں گے۔
- طلبہ اپنے الفاظ میں اس طنزیہ مضمون کا حقیقی مقصد بیان کریں گے۔
- طلبہ درسی کتاب میں شامل اصلاحی، تمثیلی، سائنسی اور مزاحیہ مضامین کا تقابلی جائزہ پیش کریں گے۔

- طنز و مزاح زندگی کی ناہمواریوں اور مضحکہ خیز صورتِ حال کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کا اسلوب ہے۔ طنز میں مزاح کی آمیزش سے تلخی میں کمی آجاتی ہے۔

برائے اساتذہ

- پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے پھر تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے تعمیری بازرسی فراہم کیجیے۔
- طلبہ کو طنز و مزاح کا فرق بتائیے۔
- طلبہ کو بتائیے کہ طنز و مزاح کی شمولیت سے ہماری گفتگو دل چسپ اور پُر اثر ہوجاتی ہے۔
- طلبہ کو درسی کتاب میں شامل مضامین کی نوعیت بتائیے اور اُن کے درمیان فرق سے آگاہ کیجیے۔
- طلبہ کو اُردو کے معروف طنز و مزاح نگاروں کے شہ پارے پڑھنے کی طرف متوجہ کیجیے۔

شفیق الرحمٰن

پیدائش : نومبر ۱۹۲۰ء کلانور (پنجاب، ہندوستان)
وفات : مارچ ۲۰۰۰ء راولپنڈی
تصانیف : کرنیں، شگوفے، لہریں، مدوجزر، پرواز، پچھتاوے، حماقتیں، مزید حماقتیں

مجبوریاں

حاصلاتِ تعلّم
یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) علمی یا ادبی گفتگو سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔ (۲) کسی نثر پارے کو سُن کر اس میں پوشیدہ/موجود محاسن بیان کرسکیں۔ (۳) پیشہ ورانہ ضرورتوں کی تحریریں پڑھ سکیں۔ (۴) روزمرّہ زندگی کے مسائل کے حوالے سے اپنے جذبات و خیالات اور مافی الضمیر کا اظہار زبانی تحریر کرسکیں۔

میرے ایک دوست جو موٹروں کے ورکشاپ کے مالک تھے اور مدت سے موٹروں کا علاج معالجہ کررہے تھے، موٹریں اور پرزے ان کے دماغ پر اس قدر چھاگئے تھے کہ بعض اوقات وہ سوتے سوتے چلّا کر کہتے : ”بریکیں لگاؤ۔ سٹارٹ کرو۔“

ایک دفعہ ہم دونوں اونٹ پر سوار ہوئے۔ میں آگے تھا اور مہار ہاتھ میرے میں تھی۔ ہم ایسی جگہ سے گزر رہے تھے جہاں پانی ہی پانی تھا۔ اونٹ کچھ تیز ہوگیا۔ ایک جگہ تو پھسلتے پھسلتے بچا۔ میرے دوست گھبرا کر بولے : ”بھئی اونٹ کو نمبر ٹو میں لے آؤ۔“ ایک وقفے کے بعد بولے : ”میرا مطلب ہے ذرا آہستہ چلاؤ۔“

اس اونٹ کی طبیعت میں کچھ ایسی بے نیازی تھی کہ جو ہدایات میں اسے دیتا وہ ذرا پروا نہ کرتا۔ جب ہم اسے روکنا چاہتے تو وہ رکتا ہی نہ۔ ایک جگہ مرے دوست بولے ”اس اونٹ کی بریکیں خراب ہیں۔۔۔“ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ جلدی سے بولے : ”یعنی اسے روکنا چاہو تو بہت دیر میں رُکتا ہے۔“ اور ساتھ ہی ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا گویا کہہ رہے ہوں کہ میں مجبور ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اونٹ میں گیئر نہیں ہوتے نہ بریکیں ہوتی ہیں۔ لیکن میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔

بچوں کے متعلق ایک دوست نے قصہ سنایا۔ ان کے دو چھوٹے بچے حسبِ معمول اپنی ساری کوششیں اس جدوجہد میں صرف کرتے تھے کہ اُنھیں کہیں کوئی پڑھا نہ دے۔ حساب سے تو وہ خاص طور پر متنفّر تھے۔ آخر میرے دوست عاجز آگئے اور اُنھوں نے استاد کے لیے اخبار میں اشتہار نکلوا دیا۔ ایک استاد آئے اور بڑی استادی سے انھوں نے بچوں کی پسند اور ناپسند کا پتا چلایا۔ بچوں کو خرگوش بے حد پسند تھے۔ چناں چہ وہ چھ خرگوش لے کر بچوں کے پاس پہنچے۔ خرگوش دیکھ کر بچے بہت خوش ہوئے اور ان سے کھیلنے لگے۔ استاد بولے :

"بچو ! بھلا بتاؤ تو سہی یہ کتنے ہیں ؟ " ایک بچے نے گن کر کہا : "چھے۔" انھوں نے تین خرگوش چھپا لیے، پھر پوچھا : "اور اب کتنے باقی رہ گئے ؟ " بچے نے پھر گنا اور کہا : "تین۔" یکایک چھوٹا بچہ بڑے کو ایک طرف لے گیا اور اس کے کان میں کہنے لگا : "خبردار! میرے دل میں شبہ سا ہے۔ ہوش یار رہنا، کہیں یہ آدمی باتوں باتوں میں حساب نہ پڑھا دے۔"

ایک بہت بڑے فلاسفر تھے جنھوں نے ایک کتب فروش کو یہ خط لکھا تھا :

"جناب من !

اوّل تو میں نے کتاب آپ سے ہر گز نہیں منگوائی۔ اگر منگوائی تھی، تو آپ نے ہر گز نہیں بھیجی۔ اگر آپ نے بھیجی تھی تو مجھے بالکل نہیں ملی۔ اگر مجھے ملی تھی تو میں نے قیمت ادا کردی تھی اور اگر میں نے قیمت نہیں ادا کی تو آپ سے جو کچھ بھی ہوسکتا ہے کرلیجیے۔ اُمید ہے آپ بہ خیریت ہوں گے۔ فقط۔"

ایک مرتبہ وہ کسی حجام کی دکان پر حجامت کرا رہے تھے۔ دفعتہً کوئی سڑک پر چلّایا : "میاں عبدالقدوس صاحب! میاں عبدالقدوس صاحب!! آپ کے مکان کو آگ لگ گئی۔" وہ تڑپ کر اٹھے، حجام کو پرے دھکیلا۔ گلے کا سفید کپڑا ایک طرف دے مارا، صابن کا جھاگ ایک اور صاحب پر پھینکا۔ دو گاہکوں سے بری طرح ٹکرائے۔ سڑک پر کودے، پھسلے، گرے، پھر اٹھے، ایک دہی بڑے والے سے ٹکرائے، اچھل کر بھاگے، کچھ دور جاکر رک گئے اور سر کھجانے لگے۔ پھر شرمندہ ہوکر بولے : "اُفّوہ! میں بھی کیا ہوں، بھلا میرا نام عبدالقدوس کہاں ہے ؟"

ایک بوڑھے پینشنر کی پینشن بند ہو گئی۔ جنوری سے جون تک کچھ نہ ملا۔ آخر تنگ آ کر اس نے اوپر خط لکھا، وہاں سے جواب آیا کہ کاغذات کے مطابق آپ کا کئی ماہ سے انتقال ہوچکا ہے اس لیے پینشن بند کر دی گئی ہے۔ اُس نے لکھا کہ جنابِ من میں تو باقاعدہ زندہ ہوں۔ جواب آیا کہ آپ سرٹِفکیٹ بھیجیے۔ یہ ضلع کمشنر کے پاس گیا۔ کمشنر بڑا ہنسا اور سرٹِفکیٹ لکھ دیا کہ میں فلاں صاحب کو اپریل سے دیکھ رہا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ یہ زندہ ہیں۔ نیچے جون کی کوئی تاریخ لکھ دی۔ پنشنر نے وہ سرٹِفکیٹ اور ایک خط اوپر بھیج دیا۔ اگلے ہفتے پنشن آگئی ساتھ ہی ایک خط جس میں لکھا تھا : "جنابِ من! آپ کے سرٹِفکیٹ کے مطابق اپریل، مئی اور جون کی پینشن ارسال ہے۔ بہ راہِ کرم ایک اور سرٹِفکیٹ ارسال فرمائیے کہ آپ اسی سال جنوری، فروری اور مارچ میں بھی زندہ تھے تاکہ آپ کی بقیہ پینشن بھی بھیج دی جائے۔"

آپ کسی کالج یا سکول کے اسٹاف روم میں جا بیٹھیے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد بغیر کسی تعارف کے آپ ہر ٹیچر یا پروفیسر کو پہچان لیں گے۔

ایک مرتبہ میں ایک تقریب میں گیا اور میں نے ذرا سی دیر میں سب کو پہچان لیا۔ باتیں ہو رہی تھیں ۔ جغرافیے کے پروفیسر نے کسی جگہ کے متعلق دریافت کیا۔ جب اُنھیں اس جگہ کی آب و ہوا بتائی گئی تو مسکرا کر بولے : "تو یوں کیوں نہیں فرماتے کہ بُحیرۂ روم کے خطے جیسی آب و ہوا ہے۔" تاریخ کے پروفیسر

بولے : ”ایمان کی بات تو ہے کہ یہاں وہی سلوک ہونا چاہیے، جو سکندر نے پورس کے ساتھ کیا تھا۔“

ریاضی کے پروفیسر فی صدی کے سِوا بات ہی نہ کرتے تھے۔ مثلاً : ”ہندوستان میں اسّی فی صد آدمی چڑچڑے ہیں۔ افغانستان میں ساٹھ فی صد آدمی چھینکیں مارتے رہتے ہیں۔ عرب میں نوّے فی صد آدمی بات بات پر لاحول پڑھتے ہیں۔“

اُنھوں نے فلاسفی کے پروفیسر پر چوٹ کی، وہ چڑ گئے اور بحث ہونے لگی۔ ریاضی کے پروفیسر بولے : ”ریاضی ایک سچا علم ہے۔ اس میں صداقت ہے کیوں کہ منھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔مثال کے طور پر اگر ایک آدمی ایک کمرہ دس روز میں بناسکتا ہے تو دس آدمی اس کمرے کو ایک روز میں بناسکتے ہیں۔“

فلاسفی کے پروفیسر کچھ دیر حساب لگاتے رہے، پھر بولے : ”اگر دس آدمی اس کمرے کو ایک روز میں بناسکتے ہیں تو ۲۴۰ آدمی ایک گھنٹے میں بناسکتے ہیں۔ ۱۴۴۰۰ آدمی ایک منٹ اور ۸۶۴۰۰ آدمی اسی کمرے کو بہ خوبی ایک سیکنڈ میں بنالیں گے۔“ ”ہندوستان میں اسّی فی صد آدمی چڑچڑے ہوتے ہیں“۔ ریاضی کے پروفیسر کِھسیانے ہو کر بولے۔

ہمارے کالج میں ایک ماہرِ اقتصادیات تھے۔ ایک دن ہم نے ان کا اشتہار اخبار میں پڑھا، جو اُنھوں نے نوکر کے لیے دیا تھا۔ اشتہار کا ایک ایک لفظ چِلاّ چِلاّ کر اقتصادیات پنے کی شکایت کررہا تھا۔

(ماخوذ از : پرواز) شفیق الرحمٰن

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) موٹر ورکشاپ کا مالک اپنی کس عادت سے مجبور تھا؟

(ب) حجامت کرانے والے صاحب کیوں شرمندہ ہوئے؟

(ج) فلاسفر کے خط سے ان کی کون سی عادت ظاہر ہوتی ہے؟

(د) مصنف نے تقریب میں موجود افراد کو ذرا سی دیر میں کیسے پہچان لیا؟

(ہ) سبق ”مجبوریاں“ سے اپنی پسند کا مزاحیہ واقعہ منتخب کرکے لکھیے۔

سوال نمبر۲ : مندرجہ ذیل الفاظ کی جمع اور واحد تحریر کیجیے:

خیالات	درجہ	قصص	تقاریب	مکان	کتب	مثال

سوال نمبر۳: درج ذیل عبارت کی تشریح کیجیے:

”جنابِ من ! آپ کے سرٹفکیٹ کے مطابق اپریل، مئی اور جون کی پینشن ارسال ہے۔ بہ راہِ کرم ایک اور سرٹفِکیٹ ارسال فرمائیے کہ آپ اسی سال جنوری، فروری اور مارچ میں بھی زندہ تھے تاکہ آپ کی بقیہ پینشن بھی بھیج دی جائے۔“

سوال نمبر۴: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) اونٹ میں نہیں ہوتے:

(الف)پاؤں (ب)منھ (ج)دم (د) گیئر

(۲) بچوں کو تعلیم دینے کے واسطے استاد لے کر آیا:

(الف)بھیڑیں (ب)کبوتر (ج)طوطے (د)خرگوش

(۳) اگر ایک دن میں ایک کمرہ دس آدمی بناسکتے ہیں تو وہی کمرہ ایک گھنٹے میں بناسکتے ہیں:

(الف)۲۴۰ آدمی (ب)۱۲۰ آدمی (ج)۸۰ آدمی (د)۶۰ آدمی

(۴) کمشنر نے لکھ دیا:

(الف)خط (ب)مضمون (ج)سرٹفکیٹ (د)کالم

(۵) کتب فروش کو خط لکھا تھا:

(الف)ریاضی کے پروفیسر نے (ب)افسانہ نگار نے

(ج)مصنف نے (د)فلاسفر نے

سرگرمیاں

- طلبہ اردو کے مشہور مزاح نگاروں کی تحریریں تلاش کرکے کمرۂ جماعت میں ساتھی طلبہ کو سنائیں گے۔

برائے اساتذہ

- طنز اور مزاح کا باہمی فرق طلبہ کو بتائیے۔
- پہلے طلبہ کو عبارت فہمی کا موقع دیجیے پھر تقریری طریقہ اختیار کرتے ہوئے موثر اور تعمیری بازرسی فراہم کیجیے۔

ابنِ انشا (شیر محمد خان)

- پیدایش: جون ۔ ۱۹۲۷ء پھلور (جالندھر، ہندوستان)
- وفات: ۱۹۷۸ء لندن
- تصانیف (نثر): اردو کی آخری کتاب، چلتے ہو تو چین کو چلیے، خمارِ گندم، دنیا گول ہے، ابن بطوطہ کے تعاقب میں

شاعری: اس بستی کے اک کوچے میں، چاند نگر، دلِ وحشی، بلو کا بستہ (بچوں کے لیے)

ایک انار و صد بیمار

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مجازی زبان (روزمرّہ، محاورہ، کنایہ وغیرہ) احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے سُن کر متن کے مفہوم کا ادراک کر سکیں۔ (۲) سُن کر بات/کہانی/مکالمے کو ترتیب سے بیان کر سکیں۔ (۳) ادبی تحریروں کو حسن بیان کی خوبیوں (روزمرہ اور محاورہ) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۴) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج، کردار یا واقعات کی تشریح استحسانی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۵) لُغت کو اشتقاق، مشتقات، وضع و لفظی حوالوں سے استعمال کر سکیں۔

ہمارے ملک میں ڈاکٹروں کی کمی ہے۔ کراچی جیسے ترقی یافتہ شہر میں بھی سات سو آدمیوں کے پیچھے ایک ڈاکٹر کی اوسط ہے جب کہ مغرب کے ملکوں میں ہر سو پچاس پر ایک ڈاکٹر ہوتا ہے۔ ایسے بھی دیس ہیں جن میں ہر پانچ سات آدمیوں کے پیچھے ایک ڈاکٹر ہے بلکہ ایک آدھ ملک تو ایسا بھی سنا ہے جہاں ایک ایک آدمی کے پیچھے دو دو ڈاکٹر ہیں۔ جدھر وہ جاتا ہے یہ اپنے تھیلے لٹکائے پچکاریاں بھرے ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔ دونوں کی کوشش ہوتی ہے کہ یہ مجھ سے علاج کرائے۔ اگر مریض ایسا ہی ڈھیٹ ہوا کہ بہت بیمار نہ ہوا تو ان ڈاکٹروں ہی میں سر پھٹول ہوجاتی ہے اور پھر یہ دونوں بیٹھ کر ایک دوسرے کی مرہم پٹّی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو فیس دیتے ہیں۔ اور یوں ان کا گزارہ چلتا ہے۔

بہ ہرحال ہمارے لیے یہ ترقی کی منزل ابھی دُور ہی ہے۔ اُفُق کے اُس پار ہے۔ ہمارے ہاں تو بیماروں کے لیے ڈاکٹروں کا ابھی اتنا اوسط بھی نہیں جتنا اناروں کا ہے۔ محاورے میں ایک انار و صد بیمار آتا ہے۔ جو یک ڈاکٹر و ہفت صد بیمار کے مقابلے میں خاصی اُونچی مقدار ہے۔ اسی لیے تو ڈاکٹر جِتنوں کا علاج کر سکتا ہے کرتا ہے، باقی انار کھاتے ہوئے مرجاتے ہیں۔ دُنیا سے سفر کر جاتے ہیں۔

ایک بزرگ جنھوں نے پچھلے دنوں کراچی میں اناٹیوں کی مردم شماری کی ہے فرماتے ہیں کہ صحیح محاورہ یک اناڑ و صد بیمار ہے اور اناڑ دراصل اناڑی کا مُخَفَّف یا اسمِ مکبّر ہے۔ یہ بات ہمارے بھی جی لگتی ہے۔ کیوں کہ کراچی قندھار تھوڑا ہی ہے جو انار کے ذکر کا موقع ہو۔ پھر انار ہم نے فقط دو طرح کے دیکھے ہیں۔ سفید دانوں والے اور سرخ دانوں والے لیکن اناڑ یا اناڑی ہزار رنگ اور ہزار شیوہ ہوتے ہیں۔ ایلوپیتھی،

ہومیوپیتھی، فٹ پاتھی، حکیم، وید، عامل کامل۔ منجّم ۔ جفار، طبِ چین والے، طبِ جاپان والے،تعویذوں والے، انگوٹھیوں والے، ان سب کو ملالیا جائے تو ہمارے خیال میں فی کس ایک کی اوسط پڑے گی۔ یعنی جتنے بیمار اتنے انار بلکہ کیا عجب دو کی پڑ جائے یعنی ایک دارو دو۔ اس ریل پیل کے ہوتے اگر ڈاکٹر کم بھی ہیں تو ہرج کی کچھ بات نہیں۔ قبرستانوں کی آبادکاری ہی تو منظور ہے سو دیر سویر سے کیا فرق پڑتا ہے۔

خیال اپنا اپنا، پسند اپنی اپنی۔ کچھ لوگ ڈاکٹروں کے ہاتھوں مرنا پسند کرتے ہیں کچھ حکیموں کے ہاتھوں۔ کچھ ایک سے مایوس ہو کر دوسرے کو آزماتے ہیں۔ ہمارے پڑوس میں ایک بزرگ تھے۔ بیماری تو ان کو جانے کیا تھی۔ شاید گیس کی تھی۔ معدہ ان کا سوئی گیس کی ٹنکی بنا ہوا تھا۔ لیکن سارا سارا دن فارماکوپیا اور حکمت کی کتابیں لیے اپنے مرض کے نئے نئے نام تلاش یا ایجاد کرتے رہتے تھے۔ پہلے ڈاکٹروں سے رجوع کیا ان سے کچھ نہ ہوا۔ پھر ہومیوپیتھوں کے پاس گئے وہ بھی اِن کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ حکیموں کے جوشاندے اور خیساندے بھی ان کے مرضِ زیست کا مداوا یا ازالہ نہ کر سکے۔ آخر فٹ پاتھ کے ایک سنیاسی بابا نے اپنے خاندانی ٹوٹکے سے ان کی مشکل آسان کی۔ کچھ گولیاں دیں جو ہمارے خیال میں بارود کی تھیں۔ اور ایک شیشی عرق کی تھی جو شورے کے تیزاب کا اثر رکھتا تھا بلکہ شاید شورے کا تیزاب ہی تھا۔ ان بزرگ نے رات کو ایک ہی خوراک استعمال کی تھی کہ دوسرے دن کی ہمیں دفتر سے چھٹی لینی پڑی۔ آخر اتنے قدیمی ہم سائے کے جنازے کو کندھا تو دینا ہی تھا۔ ایک طرف ہم تھے۔ دوسری طرف سنیاسی بابا تھے۔ واپس آکر ہم نے اپنے کندھے پر مالش کرنے کے لیے سانپ کی چربی بھی انھی بابا جی سے لی تھی۔

ہم نے جب کبھی کسی پیشہ ور کے متعلق کالم لکھایہی جواب ملا کہ ہم چوں کہ اس کے ہم پیشہ نہیں ہیں اس لیے جلتے ہیں۔ ڈاکٹروں نے ہمیں یہی طعنہ دیا۔ نقّادوں نے ہم پر یہی حرف رکھا۔ ان کی قدر نہیں کرتے۔ ان کا یہ کہنا زیادتی ہوگا۔ ہم باقاعدہ اشتہار نہیں دیتے یا اپنے نام کے ساتھ فخرالاِطبّا یا بنگالی بابا نہیں لکھتے تو اس کی وجہ ہماری طبیعت کا انکسار ہے یا پھر یہ بات ہے کہ ابھی ہمارے سامنے روزگار کے ایسے راستے ہیں جو سیدھے سیدھے قبرستان نہیں جاتے یا لے جاتے ورنہ حکمی علاجوں اور ٹوٹکوں سے ہماری بیاض بھی خالی نہیں۔ ہمارے رفیق کار میاں رفیق الدین کے گھٹنے پر معمولی سی پھنسی نکلی تھی۔ ہم نے اس کے لیے مرہم دیا تو وہ پھوڑا بن گئی۔ اس پر ایک پوڈر چھڑکنے کو دیا تو اس کے آس پاس کچھ اورپھوڑے نکل آئے۔ آخر ان کے عزیزوں نے اُنھیں ہسپتال میں داخل کیا وہاں آپریشن ہُوا اور تین چار مہینے ہی میں وہ بھلے چنگے ہو کر آگئے۔ ہم دوا اُنھیں نہ دیتے تو ان کے آپریشن کی نوبت کیسے آتی اور اُنھیں صحتِ تام کیسے عطا ہوتی۔ یہ باریک باتیں ہمارے قاری تو سمجھ لیتے ہیں لیکن ان کے عزیزوں کی سمجھ میں نہ آتیں۔

خیر بہت سے محلے والے ہمیں بھی اتائی یا عَطاءُ الاَطِبّاء کہنے لگے اس لحاظ سے اس میں کچھ غلطی بھی نہیں کہ ہمارے تمام تر نسخے اور ٹوٹکے ایک سنیاسی بابا کا عطیہ ہیں جو جیل جاتے ہوئے ہمارے سُپرد کر گئے تھے۔ جیل ان کو اس پاداش میں ہوئی تھی کہ اُنھوں نے ایک مریض کا حکمی علاج کیا تھا اور حکمی علاج میں

تو یہی ہوتا ہے کہ اللہ کا حکم ہو تو مریض بچ جاتا ہے ورنہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے اتائی بھائی ایک یہ نسخہ اپنی گرہ میں باندھ لیں کہ علاج صرف ایسے مریضوں کا کیا کریں جن کے قریبی رشتے دار پولیس میں نہ ہوں۔ عاقلوں کے لیے اشارے ہی کافی ہوتے ہیں۔

(ماخوذ از "خمارِ گندم" ابنِ انشاء)

مشق

سوال نمبر ۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) کراچی میں اوسطاً کتنے مریضوں کے علاج کے لیے ایک ڈاکٹر ہوتا ہے ؟

(۲) مغربی ملکوں میں مریضوں اور ڈاکٹروں کی کیا صورت حال بیان کی گئی ہے ؟

(۳) سبق میں بزرگ کو کہاوت کی تصحیح کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

(۴) مصنّف نے علاج کے نام پر کون کون سے طریقوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے ؟ اور کیوں ؟

(۵) حکمی علاج سے کیا مراد ہے ؟

(۶) میاں رفیق الدین کا علاج کس طرح ہوا ؟

(۷) مصنّف نے کس معاشرتی رویے کی نشان دہی کی ہے ؟

سوال نمبر۲ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) "ایک انار و صد بیمار" میں حالات بیان کیے گئے ہیں:

(الف) معاشرتی (ب) طبّی (ج) انتظامی (د) اخلاقی

(۲) "ایک انار و صد بیمار" ہے:

(الف) افسانہ (ب) ناول (ج) ڈراما (د) مزاحیہ مضمون

(۳) "ایک انار و صد بیمار" میں طنز کیا گیا ہے:

(الف) ڈاکٹروں پر (ب) حکیموں پر (ج) عاملوں پر (د) اتائیوں پر

(۴) مصنّف کی ڈائری بھری ہوئی تھی:

(الف) کالموں سے (ب) اشتہاروں سے (ج) ٹوٹکوں سے (د) اشعار سے

(۵) "ایک انار و صد بیمار" قواعد کی رو سے ہے:

(الف) لفظ (ب) فقرہ (ج) محاورہ (د) کہاوت

سوال نمبر۳: درج ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

اُفق	اوسط	شیوہ	ریل پیل	مُداوا

سوال نمبر۴: سبق کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۵: درج ذیل عبارت کی تشریح بہ حوالۂ متن کیجیے:

"بزرگ نے رات کو ایک ہی خوراک استعمال کی تھی کہ دوسرے دن کی ہمیں دفتر سے چُھٹی لینی پڑی۔"

سوال نمبر۶: سبق میں شامل محاورے چُن کر لکھیے اور اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

سوال نمبر۷: درج ذیل جملوں کا مفہوم واضح کیجیے:

(الف) "انھوں نے ایک مریض کا حکمی علاج کیا تھا۔"

(ب) "اناڑ یا عطائی ہزار رنگ اور ہزار شیوہ ہوتے ہیں۔"

(ج) "قبرستانوں کی آباد کاری ہی تو منظور ہے۔"

- اشتقاق ۔ مشتقات :

لفظ "مدبّر" سے ایک نیا لفظ "مدبّرانہ" بنا ہے یعنی اصل لفظ میں "انہ" شامل کردیا گیا ہے اس عمل کو "اشتقاق" اور جو نیا لفظ بنایا گیا، اُسے "مشتق" کہتے ہیں۔

سوال نمبر ۸: آپ بھی درج ذیل الفاظ سے اسی طرح نئے الفاظ بنائیے:

بزرگ	رفیق	نقّاد	مریض	حکیم

سرگرمیاں

- طلبہ گروہی سرگرمی کرتے ہوئے روزمرّہ اور محاوروں کا چارٹ تیار کرکے کمرۂ جماعت میں پیش کریں گے اور پھر یہ چارٹ دیوار پر آویزاں کردیں گے۔

برائے اساتذہ

- سبق کی خواندگی احساس، جذبے اور تاثر قائم کرنے کے انداز سے کیجیے اور طلبہ کو بھی ادبی تحریریں پڑھنے کے طریقے سے آگاہ کیجیے۔
- طلبہ سے سبق کی مشقیں کرائیے اور ضروری اصلاح کیجیے۔

خطِ غالب بہ نام میر مہدی مجروحؔ

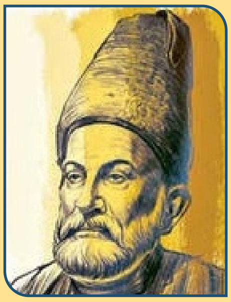

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

- پیدائش : ۲۷ / دسمبر ۱۷۹۷ء آگرہ
- وفات : ۱۵ / فروری ۱۸۶۹ء دہلی
- خطابات : نجم الدّولہ، دبیر الملک، نظام جنگ
- عرفیت : مرزا نوشہ
- تصانیف : عودِ ہندی، اردوے معلّیٰ اور پنج آہنگ (خطوط)، مہرِ نیم روز (تاریخ)، لطائفِ غیبی، قاطعِ بُرہان (لغات)، دیوانِ غالب

مکتوبات

حاصلاتِ تعلّم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) وعظ/خطاب/نصیحت/ احکام وغیرہ سُن کر خود احتسابی کرسکیں۔ (۲) کسی نثر پارے کو سُن کر اس میں پوشیدہ/موجود محاسن بیان کرسکیں۔ (۳) پیشہ ورانہ ضرورتوں کی تحریریں پڑھ سکیں۔ (۴) غلط فقرات کی قواعد کے لحاظ سے درستی کرسکیں۔ (۵) ذاتی واقعات و مشاہدات تحریر کرسکیں۔ (۶) مختلف اسالیب کی تحریریں مرتب کرکے پیش کرسکیں۔ (۷) تبادلہ و ترقی کے لیے محکمانہ درخواست لکھ سکیں۔ (۸) دفتری تحریریں، مثلاً : تبادلہ و تقرر کے احکام/ درخواستیں اور مراسلے سمجھ کر پڑھ سکیں۔ (۹) اخبارات اور جرائد میں خبروں، فیچروں، اداریوں، رپورٹوں، اشتہاروں اور خطوط کو سمجھ کر پڑھ سکیں۔ (۱۰) روزمرہ زندگی سے متعلق دفتری حکم نامے اور رپورٹیں وغیرہ سمجھ سکیں اور تحریر بھی کرسکیں۔

ہاں صاحب ! تم کیا چاہتے ہو ؟ مُجتَہِدُالعَصر کے مُسوّدے کو اِصلاح دے کر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں ؟ تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمھارا دماغ چل گیا ہے۔ لفافے کو کُریدا کرو، مُسوّدے کو بار بار دیکھا کرو، پاؤ گے کیا ؟ یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں کہ یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ خط تمھارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ جی خوش ہوا۔ مُسوّدہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازمۂ سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔

کیوں سچ کہیو۔ اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی ؟ ہائے، کیا اچھا شیوہ ہے۔ جب تک یوں نہ لکھو۔ گویا وہ خط ہی نہیں ہے۔ چاہِ بے آب ہے۔ ابرِ بے باراں ہے۔ نخلِ بے میوہ ہے۔ خانۂ بے چراغ ہے،

چراغِ بے نور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم زندہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں۔ امرِ ضروری کو لکھ لیا۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا اور اگر تمھاری خوش نودی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا نماز قضا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی ؟ خیر ہم نے بھی وہ عبارت جو مُسوَّدے کے ساتھ لکھی تھی، اب لکھ بھیجی۔ قصور معاف کرو، خفا نہ ہو۔

میر نصیر الدین ایک بار آئے تھے، پھر نہ آئے۔

نثر فارسی نئ میں نے کہاں لکھی کہ تمھارے چچا کو یا تم کو بھیج دوں۔

نواب فیض محمد خاں کے بھائی حسن علی خاں مرگئے۔ حامد علی خاں کی ایک لاکھ تیس ہزار کئی سو روپے کی ڈگری بادشاہ پر ہوگئی۔

کلُّو داروغہ بیمار ہوگیا تھا۔ آج اس نے غسلِ صحت کیا۔ باقر علی خاں کو مہینا بھر سے تپ آتی ہے۔ حسین علی خاں کے گلے میں دو غدود ہوگئے ہیں۔

شہر چپ چاپ، نہ کہیں پھاوڑا بجتا ہے، نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے، نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلّی شہرِخموشاں ہے۔ کاغذ نبڑ گیا، ورنہ تمھارے دل کی خوشی کے واسطے ابھی اور لکھتا۔

یک شنبہ ۲۲، ستمبر ۱۸۶۱ء

("غالب کے خطوط" مرتّبہ: خلیق انجم)

مشق

سوال نمبر ۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) خط کے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے نام لکھیے۔

(ب) خط نویسی کے سلسلے میں محمد شاہی روش سے غالب کی کیا مراد ہے ؟

(ج) خط سے بے تکلف گفتگو کی ایک مثال لکھیے۔

(د) غالب نے اس خط میں نئے اندازِ خط نگاری کے حوالے سے کن اُمور کی نشان دہی کی ہے ؟

سوال نمبر۵ : درج ذیل اقتباسات کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

"شہر چپ چاپ، نہ کہیں پھاوڑا بجتا ہے، نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے، نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلّی شہرِخموشاں ہے۔"

سوال نمبر۳: درج ذیل تراکیب کی وضاحت کیجیے:

چاہِ بے آب	ابرِ بے باراں	نخلِ بے میوہ	خانۂ بے چراغ	شہرِ خموشاں

سوال نمبر۴: درج ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

روش	شیوہ	موقوف	زوائد	نگارش

سوال نمبر۵: درج ذیل الفاظ کے واحد یا جمع لکھیے:

صاحبان	اصلاح	مجتہدین	خموشاں	نگارش

سوال نمبر۶: اس خط کو پڑھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرزا غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے، آپ کا کیا خیال ہے ؟ تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۷: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) مجتہد العصر کے مسودے کو بھیج دیا:

(الف)لکھ کر (ب)اصلاح دے کر (ج)پڑھ کر (د)سُن کر

(۲) تم میرے ہم عمر نہیں جو لکھوں:

(الف)سلام (ب)دعا (ج)خط (د)قصیدہ

(۳) سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح بھیجتے رہو:

(الف)سلام (ب)دعا (ج)دوا (د)خط

(۴) بار بار دیکھا کرو :

(الف)مسوّدے کو (ب)خط کو (ج)تقریر کو (د)تحریر کو

(۵) قصور معاف کرو۔

(الف)خفا نہ ہو (ب)خوش نہ ہو (ج)مسرور نہ ہو (د)بے زار نہ ہو

سرگرمیاں

- طلبہ کسی دوست کو خط لکھیں گے جس میں وہ اپنے مطالعاتی دورے کا احوال قلم بند کریں گے۔
- طلبہ کسی اخبار کے اداریے پر کمرۂ جماعت میں بحث کریں گے۔
- طلبہ اخبارات و رسائل سے اقوالِ زرّیں، اشعار اور اہم واقعات نقل کر کے استاد کو دکھائیں گے۔

- مکتوب میں شخصیت کے اِظہار اور ذاتی جذبات و احساسات کی گنجائش ہر دوسری تحریر کی نسبت زیادہ ہوتی ہے تاہم یہ مُسلَّم ہے کہ خط یا مکتوب بنیادی طور پر ادب نہیں بلکہ بعض خطوط اپنی خاص خوبیوں کی وجہ سے ادب کا درجہ پاجاتے ہیں اور بعض اوقات ادب العالیہ میں شمار ہونے لگے ہیں۔
- خط کے اجزا:

(۱)مکتوب نویس کا نام اور پتہ	(۲)تاریخ تحریر	(۳)نشان مجاریہ
(۴)مقدمہ یا سبجیکٹ	(۵)حوالہ نشان	(۶)القاب
(۷)آداب	(۸)نفسِ مضمون	(۹)خاتمہ
(۱۰)مکتوب نویس کے دستخط	(۱۱)مکتوب الیہ کا نام اور پتہ۔	

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر اور حسبِ ضرورت اُن کی مدد کیجیے۔
- طلبہ کو اخبار بینی کی ترغیب دیجیے۔
- طلبہ پر بیاض/ڈائری کی اہمیت و افادیت واضح کیجیے۔

خطِ اقبال
خان محمد نیازالدین خاں کے نام

ڈاکٹر سر علّامہ محمد اقبالؒ

- **پیدائش :** ۹ - نومبر ۱۸۷۷ء سیالکوٹ
- **وفات :** ۲۱ - اپریل ۱۹۳۸ء لاہور
- **تصانیف :** بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی

مخدومی! السّلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا، جس کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ الحمد للہ کہ آپ بہ خیریت ہیں اور مولوی گرامی صاحب بھی آلام و افکار سے آزاد ہیں۔ عرصہ ہُوا میں نے اُنھیں خط لکھا تھا بہ ہرحال یہ سن کر خوشی ہوئی کہ وہ جالندھر آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ ان کی صحبت سے زیادہ پُر لطف چیز اور کون سی ہے۔ اگر ممکن ہوسکتا تو میں یہ ایّام بھی ہوشیار پور میں اُن کی صحبت میں گزارتا۔ میری نسبت وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں محبت کا مبالغہ شامل ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ محبت محبوب کا صحیح اندازہ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔

مگر مولوی گرامی صاحب کا وعدہ وہی ہے جس کی نسبت مرزا غالبؔ مرحوم عرصہ ہوا کہہ گئے ہیں:

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا

مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں ان سے ملنے کے لیے جالندھر آیا تو پھر لاہور نہ آئیں گے۔ خیر یہ باتیں بعد میں سوچنے کی ہیں۔ پہلے یہ دیکھنا ہے کہ (وہ) جالندھر آتے بھی ہیں یا نہیں۔

واقعی آم دردِ گردہ کے مریض کے لیے اچھا ہے اور مجھ کو بھی اس سے بہت محبت ہے۔ کھانے کی چیزوں میں صرف یہی ایک چیز ہے جس کے لیے میرے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ باقی چیزوں کے لیے خواہش نہیں ہوتی، یہاں تک کہ روزمرہ کا کھانا بھی عادت کے طور پر کھاتا ہوں۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

ہاں آموں پر ایک لطیفہ یاد آگیا۔ گزشتہ سال مولانا اکبؔر نے مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا میں نے پارسل کی رسید اس طرح لکھی:

اثر یہ تیرے اعجازِ مسیحائی کا ہے اکبؔر
الہٰ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا!

"رموزِ بے خودی" کو میں اپنے خیال میں ختم کرچکا تھا، مگر پرسوں معلوم ہوا کہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ترتیب مضامین کرتے وقت یہ بات ذہن میں آئی کہ ابھی دو تین ضروری مضامین باقی ہیں، یعنی قرآن اور بیت الحرام کا مفہوم و مقصود حیاتِ ملّیہ اسلامیہ میں کیا ہے۔ ان مضامین کے لکھ چکنے کے بعد اس حصہ مثنوی کو ختم سمجھنا چاہیے۔ مگر ایسے ایسے مطالب ذہن میں آئے ہیں کہ خود مسلمانوں کے لیے موجبِ حیرت و مسرّت ہوں گے۔ کیوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے ملّتِ اسلامیہ کا فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی اسلامی جماعت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا۔ نئے اسکول کے مسلمانوں کو معلوم ہوگا کہ یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے وہ محض بودے اور سُست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چِتھڑا ہے۔ قومیت کے اصول حَقّہ صرف اسلام نے ہی بتائے ہیں، جن کی پختگی اور پاے‌داری مرورِ ایام و اعصار سے متاثر نہیں ہوسکتی۔

والسلام

امید کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خاک سار

محمد اقبال

لاہور ۲۷، جون ۱۹۱۷ء

(کلیاتِ مکاتیبِ اقبال اوّل ۲)

مشق

سوال نمبر ۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) مولانا گرامی کے جالندھر آنے کی خبر پر اقبال نے کیا لکھا ؟

(۲) اقبال نے آم کے بارے میں کیا رائے دی ہے ؟

(۳) اقبال نے اپنی تصنیف "رموزِ بے خودی" کے بارے میں کیا لکھا ہے ؟

(۴) یورپ کے نظریۂ قومیت کے بارے میں اقبال کا کیا موقف ہے؟

سوال نمبر۲ : درج ذیل الفاظ و تراکیب کی وضاحت کیجیے:

مرورِ ایام و اعصار	حیاتِ ملّیہ اسلامیہ	آلام و افکار	اعجازِ مسیحائی	رموزِ بے خودی

سوال نمبر۳ : درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

فکر	الم	ایّام	مطالب	ملّت

سوال نمبر۴ : درج ذیل اقتباس کی تشریح بہ حوالۂ متن کیجیے:

(الف) ”یورپ جس قومیت پر ناز کرتا ہے وہ محض بودے اور سُست تاروں کا بنا ہوا ایک ضعیف چیتھڑا ہے۔“

سوال نمبر۵ : درج ذیل غلط فقرے درست کیجیے:

(الف) بندۂ خدا دیر مت اتنی کیا کرو۔
(ب) میں نے تم کو پہلے ہے لکھا بھی۔
(ج) یوں آتا تو نہیں پڑھنا۔
(د) تم کرو ایک ایک منٹ کی قدر۔
(ہ) دعا نِری سے چلتا نہیں کام۔

سوال نمبر۶ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) مولوی گرامی صاحب بھی آلام و افکار کے سلسلے میں ہیں:
(الف)آزاد (ب)گرفتار (ج)پابند (د)گھرے ہوئے

(۲) آم اس مرض کے لیے اچھّا ہے:
(الف)دردِ دل کے (ب)دردِ گردہ کے (ج)دردِ سر کے (د)دردِ جگر کے

(۳) گزشتہ سال مجھے لنگڑا آم بھیجا تھا:
(الف)مولانا اکبر نے (ب)مولانا ظفر نے (ج)مولانا حسرت نے (د)مولانا اصغر نے

(۴) رموزِ بے خودی ہے:
(الف)مثنوی (ب)قصیدہ (ج)غزل (د)مخمس

(۵) یہ فلسفہ اس صورت میں اس سے پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا:
(الف)ملتِ اسلامیہ کا فلسفہ (ب)ملتِ اسلامیہ کا نظریہ
(ج)ملتِ اسلامیہ کا جغرافیہ (د) ملتِ اسلامیہ کا عقیدہ

سرگرمیاں

- طلبہ اِس خط کے اہم نکات تحریر کرکے دکھائیں گے۔
- طلبہ اِس خط کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے دوست کے نام خط لکھ کر پیش کریں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر حسبِ ضرورت رہ نمائی کیجیے۔
- طلبہ کو خط لکھنے کا طریقہ بتائیے۔

خطِ مشفق خواجہ بہ نام صدیق جاوید

مشفق خواجہ (خواجہ عبدالحیٔ)

- پیدائش : دسمبر ۱۹۳۵ء لاہور
- وفات : فروری ۲۰۰۵ء کراچی
- تصانیف : خوش معرکۂ زیبا، سخن در سخن، غالب اور صفیر بلگرامی، جائزہ مخطوطاتِ اردو، ابیات (شاعری)

محترم و مکرمی ، سلام مسنون!

آپ کا ۲ مئی کا خط ابھی کچھ دیر پہلے موصول ہوا۔ میں شرمندہ ہوا کہ گزشتہ مفصل خط کا جواب میں نے نہیں لکھا۔ پہلے اس کی وجہ بیان کرتا ہوں۔ جھنڈیر[۱] کے میاں مسعود احمد کی لائبریری میں نے ۱۹۹۶ء میں دیکھی تھی جب میں بہاول پور گیا تھا۔ چوں کہ وقت کم تھا، اس لیے سرسری نظر ڈال ہی سکا۔ اس کے بعد سے میاں مسعود احمد صاحب کا مسلسل اصرار تھا کہ میں ان کے ہاں آؤں اور چند دن وہاں گزاروں۔ اکتوبر ۹۹ء میں مَیں لاہور گیا تو اس کا ذکر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور ڈاکٹر تحسین فراقی سے ہوا۔ ان دونوں نے اور دو اور دوستوں ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر اور جعفر بلوچ صاحب نے بھی اس لائبریری کو دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ طے یہ پایا کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی سہولت کے مطابق وقت طے کریں گے۔ اپریل کے شروع میں ہاشمی صاحب نے فون کیا اور بعد میں خط بھی لکھا کہ ۱۵ سے ۲۱ ، اپریل تک وہ اور دوسرے دوست اس سفر کے لیے تیار ہیں۔ ۱۵، کی شام کو میں ملتان پہنچ گیا اور دوسرے دن صبح جھنڈیر[۲] ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر اور جعفر بلوچ صاحب بہ راہِ راست جھنڈیر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا، رفیع الدین ہاشمی اور تحسین فراقی کی طبیعت ناساز ہوگئی، اس لیے وہ نہیں آسکے۔ فراقی صاحب اخیر ۱۷، کی شام کو آگئے، لیکن ہاشمی صاحب، جن کی تجویز پر سفر کا پروگرام بنا تھا، نہیں آئے۔ معلوم ہوا، اس میں ان کی ناسازیِ طبع سے زیادہ اس بات کا دخل تھا کہ اب وہ صدرِ شعبہ بن گئے ہیں، اور انھیں ایک ضروری میٹنگ میں شرکت کرنا ہے۔ خیر ہم چاروں ۲۰، کی دوپہر تک جھنڈیر میں رہے اور اس لائبریری کو دیکھتے رہے۔ یہ میاں مسعود احمد کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ ایسی عمدہ ذاتی لائبریری شاید ہی کوئی دوسری پاکستان میں ہو۔ ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں اور پانچ ہزار سے زیادہ مخطوطات ہیں۔ تقریباً ہر موضوع پر یہاں کتابیں موجود ہیں اور ان میں سے بہت سی نوادر کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں قیام کے دوران آپ مسلسل یاد آتے رہے کہ اس لائبریری میں آپ کی کتابوں سے لوگ استفادہ کریں گے اور یہ صدقۂ جاریہ آپ کے درجات کی بلندی کا باعث ہوگا۔

۱ جھنڈیر قبیلے کا نام ہے۔ میاں مسعود احمد کے والد کے نام پر میلسی کے گاؤں سردار پور جھنڈیر میں لائبریری واقع ہے۔

۲ موضع سردار پور جھنڈیر تحصیل میلسی ضلع وہاڑی، خواجہ صاحب کو یاد نہیں رہا جھنڈیر قبیلے کا نام ہے۔

لائبریری سے استفادہ کرنے کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ بانیِ کتب خانہ، آنے والوں کی ہر ممکن خدمت کرتے ہیں۔ ہم لوگ ایک روز بہاولپور بھی گئے۔ وہاں میرے ایک دوست سیدسعید احمد دفن ہیں۔ اس نواح میں آکر ان کی قبر پر فاتحہ خوانی نہ کرتا اور ان کے اہلِ خانہ سے نہ ملتا تو یہ آئینِ دوستی کے خلاف ہوتا۔
جھنڈیر والوں کی ایک بات لکھنے سے رہ گئی ۔ میں نے اُنھیں مشورہ دیا کہ وہ اپنی لائبریری کو ایک علمی ادارے کی صورت دے دیں، جیسے دارالمصنّفین اعظم گڑھ ہے۔ وہ اس پر آمادہ ہیں۔ وہ اسے رہایشی علمی ادارہ بنائیں گے۔ یہاں صرف کتابیں جمع نہیں کی جائیں گی، علمی کام بھی ہوگا۔
اچھا اب اجازت دیجیے۔ دیکھیے میں نے خط نہ لکھنے کی تلافی کر ہی دی۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔
خط کی دوسطری رسید مل جائے تو کرم ہوگا تاکہ یہ اطمینان ہو کہ خط آپ تک پہنچ گیا۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
۵- مئی ۲۰۰۰ء
(مراسلات : مشفق خواجہ - صدیق جاوید)

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) مشفق خواجہ نے کسے خط تحریر کیا ہے اور کس مقصد کے تحت؟ مختصراً اپنے الفاظ میں بتائیے۔
(۲) اس خط میں کتنی شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے ؟
(۳) خط کا اسلوب کیسا ہے ؟ واضح کیجیے۔
(۴) خط میں کون سی لائبریری کا ذکر کیا گیا ہے ؟اور کیوں ؟
(۵) دارالمصنّفین اور جھنڈیر میں کیا بات مشترک ہے ؟
(۶) لائبریری میں موجود کتابوں سے استفادے کو صدقہ جاریہ کیوں کہا ہے ؟

سوال نمبر۲ : درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

مکرمی	مفصل	سرسری	اشتیاق	براہ راست
ناساز	استفادہ	صدقۂ جاریہ	تلافی	آئینِ دوستی

سوال نمبر۳ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) مسعود احمد کی لائبریری دیکھی۔
(الف)۱۹۹۵ء میں (ب)۱۹۹۶ء میں (ج)۱۹۹۷ء میں (د)۱۹۹۸ء میں

(۲) ہاشمی صاحب نے فون کیا:

(الف)فروری میں (ب)مارچ میں (ج)اپریل میں (د)مئی میں

(۳) جھنڈیر نام ہے:

(الف)جگہ کا (ب)ملک کا (ج)ذات کا (د)قبیلے کا

(۴) دارالمصنفین ہے:

(الف)اعظم گڑھ میں (ب)وہاڑی میں (ج)بہاول پور میں (د)ملتان میں

(۵) میاں مسعود کی لائبریری میں مخطوطات موجود تھے:

(الف)پانچ ہزار (ج)چھے ہزار (ج)سات ہزار (د)آٹھ ہزار

سرگرمیاں

- طلبہ اسی خط کے انداز میں ایک خط تحریر کرکے دکھائیں گے۔
- اس خط میں ایسا کیا ہے جسے ڈرامے کی صورت میں پیش کیا جائے۔

برائے اساتذہ

- خط لکھنے میں طلبہ کی مدد کیجیے۔
- سرکاری خط اور نجی مراسلے میں کیا فرق ہے، طلبہ کو تفصیلاً بتائیے۔

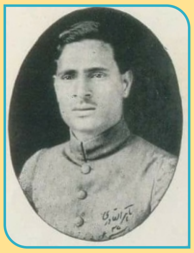

ماہر القادری

- **پیدائش :** ۳۰ - جولائی ۱۹۰۶ء اتر پردیش (ہندوستان)
- **وفات :** ۱۲ - مئی ۱۹۷۸ء سعودی عرب
- **تصانیف :** کاروانِ حجاز، یادِ رفتگاں، نغماتِ ماہر، طلسمِ حیات، فردوس، محسوساتِ ماہر

حَمد

حاصلاتِ تعلّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) کلام کے اہم نکات بیان / تحریر کر سکیں۔ (۲) کلام سن کر مصرع یا شعر زبانی سنا سکیں۔ (۳) منظوم تحریر کو اوصاف بلند خوانی کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔

فکر و دانش کی ہے معراج، خدا کا اقرار
یہی وِجدان کی آواز ہے فطرت کی پکار

اُسی خلّاق نے جوہر کو توانائی دی
پھول پتّوں کو عطا جس نے کیے نقش و نگار

اس کی صنعت کے نمونے ہیں وہ نَکہت ہو کہ رنگ
اس کی قدرت کے کرشمے ہیں خزاں ہو کہ بہار

اسی مالک، اسی خالق کی ہے سب حمد و ثنا
آب شاروں کا ترنّم ہو کہ گلبانگِ ہزار

یہ کڑکتی ہوئی بجلی، یہ گرجتے بادل
یہ سمندر کی تہیں اور یہ پہاڑوں کا اُبھار

کبھی گرمی کبھی سردی، کہیں سایہ، کہیں دھوپ
کہیں جنگل، کہیں گلشن، کہیں ٹیلے، کہیں غار

یہ سب آیاتِ الٰہی ہیں ذرا غور سے دیکھ
اس کی پھر حمد بیاں کر، اسی خالق کو پکار!

(ماخوذ از : ذکرِ جمیل) ماہرالقادری

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) شاعر نے قدرت کے کرشمے کن کن چیزوں کو قرار دیا ہے؟

(ب) فطرت کی پکار کسے کہتے ہیں ؟

(ج) شاعر نے حمد میں فکر و دانش کی معراج یا وجدان کی آواز کو خدا کا اقرار کیوں کہا ہے ؟

(د) اِس نظم میں لفظ ”صنعت“ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

سوال نمبر۲: اس حمد کے پہلے اور آخری شعر کی تشریح کیجیے۔

سوال نمبر۳ : اس حمد کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سوال نمبر۴ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) گلبانگِ ہزار سے شاعر کی مراد ہے:

(الف)ہزاروں نغمے (ب)بُلبُل کا نغمہ

(ج)مسجد کی اذانیں (د)کتابِ ماہر القادری

(۲) آیاتِ الٰہی کہا ہے:

(الف)حمد کو (ب)خالق کو پکارنے کو

(ج)قرآنِ پاک کی آیات کو (د)قدرتی مناظر کو

(۳) شعر میں ”نکہت ہو کہ رنگ“ سے مراد ہے:

(الف)دھنک (ب)طرح طرح کے مناظر

(ج)مختلف پھول (د)مختلف موسم

(۴) گرمی سردی، سایہ اور دھوپ علامت ہیں:

(الف) بہار کی (ب)خزاں کی (ج)برسات کی (د)موسموں کی

(۵) وجدان سے شاعر کی مراد ہے:

(الف)آگہی و شعور (ب)عقل و دانش (ج)فہم و فراست (د)ہمت و استقامت

سوال نمبر۵ : درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی بتائیے:

جوہر	فکر و دانش	وِجدان	نقش و نگار	نکہت

سرگرمیاں

- طلبہ کمرۂ جماعت میں اس حمد کے مصرعے یا اشعار زبانی سنائیں گے۔
- گروہ کی صورت میں طلبہ حمد کو اوصاف بلند خوانی کے لحاظ سے پڑھ کر سنائیں گے۔

برائے اساتذہ

- معلّم/معلّمہ دونوں سرگرمیاں اپنی نگرانی میں کرائیے۔
- طلبہ کو بلند خوانی کے اوصاف بتائیے۔ صحتِ تلفظ، مناسب لب و لہجہ، رموزِ اوقاف، اعتماد، روانی اور زیر و بم کے لحاظ سے پڑھوانے کے لیے پہلے خود عملی نمونہ پیش کیجیے پھر اُن سے پڑھوائیے۔ ضرورت ہو تو ان کی اصلاح کیجیے۔

اقبال عظیم

- پیدائش: جولائی ۱۹۱۳ء میرٹھ
- وفات: ستمبر ۲۰۰۰ء کراچی
- تصانیف: مشرقی بنگال میں اردو، قاب قوسین، مضراب، لب کشا، مضراب و رباب، چراغِ آخرِ شب

نَعت

حضرت مُحمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم

حاصلاتِ تعلُّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) نظم کو درست رموزِ اوقاف سے بہ آواز بلند پڑھ سکیں۔ (۲) کسی ادبی یا علمی تحریر کا فنّی و فکری تجزیہ کر سکیں۔ (۳) نعت پڑھ کر اس پر استحساناتی گفتگو کر سکیں ۔ (۴) علم بیان و بدیع کی مجوزہ صنعتوں (تشبیہ) کی تعریف کر سکیں۔

سارے نبیوں کے عہدے بڑے ہیں لیکن آقاؐ کا مَنصَب جدا ہے
وہؐ امامِ صفِ انبیا ہیں، اُنؐ کا رُتبہ بڑوں سے بڑا ہے

کوئی لفظوں سے کیسے بتا دے، اُنؐ کے رتبے کی حد ہے تو کیا ہے
ہم نے اپنے بڑوں سے سُنا ہے، صِرف اللہ اُنؐ سے بڑا ہے

وہ جو اِک شہرِ نُورالہدیٰ ہے، جلوہ گاہوں کا اِک سلسلہ ہے
جس کی ہر صُبح شمسُ الضّحیٰ ہے، جس کی ہر شام بدرالدُّجیٰ ہے

نامِ جنّت کا تم نے سُنا ہے، میں نے اُس کا نظارہ کیا ہے
میں یہاں سے تمھیں کیا بتادوں، انؐ کی نگری کی گلیوں میں کیا ہے

کتنا پیارا ہے موسم وہاں کا، کتنی پُر کیف ساری فضا ہے
تم مِرے ساتھ خود چل کے دیکھو، گردِطیبہ بھی خاکِ شِفا ہے

مُستقل انؐ کی ڈیوڑھی عطا ہو، میرے معبود یہ التجا ہے!
کوئی پوچھے تو یہ کہہ سکوں میں، بابِ جبریلؑ میرا پتا ہے!

(ماخوذ از: ماحصل پروفیسر اقبال عظیم کا مکمل سرمایہ شاعری)

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) نعت میں حضرت محمدؐ رَسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے منصب کو کس دلیل سے بلند ثابت کیا گیا ہے؟

(۲) حضرت محمدؐ رَسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے رتبے کی حد بیان کرنے سے ہم کیوں قاصر ہیں؟

(۳) اس نعت میں حضرت محمدؐ رَسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی کن کن پہلوؤں سے تعریف بیان کی گئی ہے؟

(۴) ان تراکیب کی وضاحت کیجیے: نورالہُدیٰ، شمسُ الضُّحیٰ، بدرالدُّجیٰ، خاکِ شفا، عُمرِ رواں

سوال نمبر۲: نعت کے تیسرے شعر کی تشریح کیجیے۔

سوال نمبر۳: اس نعت کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سوال نمبر۴: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) اس نعت میں "جلوہ گاہوں کا اک سلسلہ ہے" سے مراد ہے:
(الف) مکّہ مکرّمہ (ب) مدینہ مُنوّرہ (ج) سِدرۃُ المُنتہیٰ (د) عرشِ عظیم

(۲) یہ نعت شاعری کی اس ہیئت میں لکھی گئی ہے:
(الف) مخمّس (ب) مسدس (ج) رباعی (د) غزل

(۳) شاعر نے دُعا میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا مانگی ہے:
(الف) نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی گلی کی
(ب) نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی چوکھٹ کی
(ج) نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی بستی کی ہوا کی
(د) نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے در کی

(۴) شاعر نے اپنا پتا بتایا ہے:
(الف) بابِ فہد (ب) بابِ جبریل (ج) بابِ عزیز (د) بابِ رحمت

(۵) طیبہ نام ہے:
(الف) مکّہ مکرمہ کا (ب) جدّہ کا (ج) مدینہ منوّرہ کا (د) ریاض کا

تشبیہ :

یہ شعر غور سے پڑھیے:

"کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے ------ ہے ترے حُسنِ دِل افروز کا زیور سہرا"

غالؔب نے اپنے شعر میں مغل شہزادے "مرزا جواں بخت" کی شادی کے موقع پر اُس کے مکھڑے (چہرے) کی خوب صورتی کی تعریف کرتے ہوئے اُسے چاند سے ملایا ہے۔ اس طرح ایک چیز کو کسی دوسری چیز جیسا قرار دینے کو "تشبیہ" کہتے ہیں۔ اب ذیل کا چارٹ دیکھیے:

مُشبّہ	مُشبّہ بہ	وجہِ تشبیہ	حرفِ تشبیہ
مکھڑا	چاند	خوب صورتی	سے

جس چیز کو تشبیہ دیتے ہیں اُسے مُشبّہ کہتے ہیں۔ جس چیز سے تشبیہ دیتے ہیں، اُسے مُشبّہ بہ، جس وجہ سے تشبیہ دیتے ہیں، اُسے وجہِ تشبیہ اور تشبیہ کے لیے جو لفظ استعمال کرتے ہیں اُسے حرفِ تشبیہ کہتے ہیں۔

سوال نمبر۵ : آپ اِس نعت میں سے تشبیہ کا شعر تلاش کیجیے اور اسی طرح کا چارٹ بنا کر تشریح کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ اپنے گھر یا کالج کی لائبریری سے نعتوں کی کتاب سے اپنی پسندیدہ نعت لکھ کر لائیں گے اور جماعت کو سنائیں گے۔
- کسی اخبار/دیوان سے کوئی پسندیدہ نعت نقل کریں گے اور کمرۂ جماعت میں اپنے گروپ میں فیصلہ کرکے اس نعت میں مناسب رموزِ اوقاف لگائیں گے۔
- طلبہ اپنی اپنی منتخب کردہ نعت پیش کرکے پسند کرنے کی وجہ بیان کریں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے۔
- منتخب کردہ نعت میں رموزِ اوقاف لگانے میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

نظیر اکبر آبادی

- پیدائش : ۱۷۳۵ء دہلی
- وفات : ۱۸۳۰ء آگرہ
- مشہور نظمیں : برسات کی بہاریں، آدمی نامہ، ہنس نامہ اور بنجارہ نامہ

رہے نام اللہ کا

حاصلاتِ تعلّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (۱) شعر سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن بیان کرسکیں۔ (۲) نظم کو اوصاف بلند خوانی کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔ (۴) تھیسارس کا استعمال کرسکیں۔

دُنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا　　نہ صاحبِ مقدور نہ ناکام رہے گا
زردار، نہ بے زر، نہ بد انجام رہے گا　　شادی، نہ غمِ گردشِ ایّام رہے گا
نہ عیش، نہ دکھ درد، نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

یہ چرخ دکھاتا ہے پڑا گنبدِ اَزرق　　یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے ہیں مُعلّق
لوح وقلم و عرشِ بریں، ثابِت و مُطلَق　　سب ٹھاٹ، یہ اِک آن میں ہوجائے گا ہُو حَق
آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیّار　　سَو مکر و دغا کرتے ہیں اِک آن میں تیّار
جب آکے فنا ڈالے گی سر کے اُپر اِک وار　　اِک وار کے لگتے ہی یہ ہو جاویں گے سب پار
نے مکر، نہ حیلہ، نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالَم میں عمارات　　یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلّات
کیا پست مکاں، کیا یہ ہوا دار مکانات　　اِک اینٹ بھی ڈھونڈے کہیں آنے کی نہیں ہات
دالان، نہ حجرہ، نہ در و بام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول　　یہ شاخ، یہ غنچہ، یہ ہرے پات، یہ پھل پھول
آجاوے گی جب بادِخزاں ان کے اُپر بھول　　ہر خار کی، ہر پھول کی، اُڑ جاوے گی سب دھول

نہ زرد، نہ سرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی — آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا، کوئی قصّہ کہ کہانی — کچھ باقی نظیؔر اب نہیں، سب چیز ہے فانی
خمسہ، نہ غزل، فرد، نہ اِیہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

(ماخوذ از کلیاتِ نظیؔر)

مشق

سوال نمبرا: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ہیئت کے اعتبار سے یہ نظم کیا کہلاتی ہے ؟
(ب) نظم کا خلاصہ اپنے لفظوں میں تحریر کیجیے۔
(ج) نظم کا مرکزی خیال لکھیے۔
(د) نظم کے پہلے، چوتھے اور پانچویں بند کی تشریح کیجیے۔
(ہ) آپ کو اس نظم کا کون سا بند پسند آیا، اور کیوں ؟ بتائیے۔

سوال نمبر۲: لغت/تھیسارس سے الفاظ "دالان، حجرہ اور درو بام" کے متبادل لفظ تلاش کر کے لکھیے۔

سوال نمبر۳: اس نظم کے آخری بند میں کون کون سی شعری اصطلاحات پائی جاتی ہیں ؟

سوال نمبر۴: اس نظم میں شامل متضاد الفاظ کی نشان دہی کیجیے۔

سوال نمبر۵: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) لفظ "صاحبِ مقدور" کے معنی ہیں:
(الف)عقل والا (ب)قدرت والا (ج)مال والا (د)مقدّر والا

(۲) اس نظم کے پہلے بند کی ردیف ہے:
(الف)عام (ب)رہے گا (ج)نہ (د)رہے نام اللہ کا

(۳) اس جوڑے میں صنعتِ تضاد پائی جاتی ہے:
(الف)زردار، بے زر (ب)چاند، سورج (ج)لوح، قلم (د)پھل، پھول

(۴) لفظ "ازرق" کا دُرست تلفظ ہے:
(الف)اَزرِق (ب)اَزرَق (ج)اِزرَق (د)اِزرِق

(۵) نظم رہے جام اللہ کا میں لفظ "دام" کے معنی ہیں:
(الف)قیمت (ب)دھوکا (ج)ہمیشہ (د)جال

سرگرمیاں

- تمام طلبہ مناسب گروپوں میں تقسیم ہوکر اپنے اپنے ذمے نظم کا ایک ایک بند لیں گے اور اس بند میں نئے الفاظ کو درست تلفظ اور معنوں کے ساتھ لکھیں گے۔ پھر کمرۂ جماعت میں ہر لفظ صحیح طور پر پڑھ کر اس کے معنی بتائیں گے۔
- مختلف طلبہ ایک ایک بند کو درست رموزِ اوقاف کے ساتھ لکھ کر کمرۂ جماعت میں سنا سکیں گے۔ باقی طلبہ دہراتے جائیں گے۔
- نظم کے آخری بند میں چند شعری اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ گروپوں کی صورت میں تقسیم ہو کر طلبہ ان کی وضاحت کریں گے۔

- یہ نظم مسدّس کی ہیئت میں ہے۔ مسدّس اس نظم کو کہا جاتا ہے جس کا ہر بند چھے مصرعوں کا ہو۔ اس کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور آخری دو مصرعے یعنی پانچویں اور چھٹے مصرعے ان سے علاحدہ نئے قافیوں میں مگر آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے اور تلفظ ، رموزِ اوقاف میں ضرورت پڑنے پر ان کی اصلاح کیجیے۔
- طلبہ کو بتائیے کہ جس نظم میں ہر بند کے مصرعوں کی تعداد چھے ہو اس نظم کو مسدّس کہتے ہیں۔ جس میں پانچ ہو اُسے مخمّس کہتے ہیں۔
- طلبہ کو اس نظم کے سب سے آخری شعر میں بیان کردہ اصطلاحات کی تعریف اور وضاحت سے آگاہ کیجیے تاکہ وہ بہ آسانی اپنی سرگرمی انجام دے سکیں۔

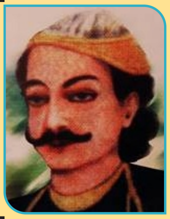

میر حسن

- پیدائش : ۱۷۲۷ء دہلی
- وفات : ۱۷۸۶ء لکھنؤ
- تصانیف : دیوانِ میر حسن، تذکرہ شعرائے اردو، مثنوی سِحرالبیان

داستان تیاری میں باغ کی

حاصلاتِ تعلّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (۱)شعر سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن بیان کرسکیں۔(۲)اس نظم کا طرزِ بیان تحریر کرسکیں۔ (۳)اس نظم کی اصطلاحات کی شناخت کرکے بیان کرسکیں۔ (۴)''حسنِ تعلیل'' کی تعریف کرسکیں۔

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ ہُوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت کی خوبی، دروں کی وہ شان لگے جس میں زربفت کے سائبان
چِقیں اور پردے بندھے زر نگار دروں پر کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہُوا کوئی رہ پہ خوبی سے لٹکا ہُوا
وہ مُقیّش کی ڈوریاں سر بہ سر کہ مہ کا بندھا جس میں تارِ نظر
چِقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال نگہ کو وہاں سے گزرنا محال
سنہری، مغرّق چھتیں ساریاں وہ دیوار اور در کی گُل کاریاں
دیے ہر طرف آئنے جو لگا گیا چوگنا لطف اُس میں سما
وہ مخمل کا فرش اُس کا ستھرا کہ بس بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس
رہیں لخلخے اُس میں روشن مدام معطّر شب و روز جس سے مَشام
بنی سنگِ مرمر سے چوپڑ کی نہر گئی چار سُو اُس کے پانی کی لہر
قرینے سے گرد اُس کے سروِ سہی کچھ اک دُور دُور اُس سے سیب و بہی
چمن سے بھرا باغ، گُل سے چمن کہیں نرگس و گُل، کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا
کہیں جعفری اور گیندا کہیں سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں
کہیں زرد نسریں، کہیں نسترن عجب رنگ کے زعفرانی چمن
پڑی آب جُو، ہر طرف کو بہے کریں قُمریاں سَرو پر چہچہے

(ماخوذ از سحرالبیان)

مشق

سوال نمبرا: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اگر کسی منظوم کلام کا عنوان بھی ہو تو اُسے کیا کہتے ہیں ؟

(ب) اس نظم کی شعری خوبیاں بتائیے۔

(ج) اس نظم کے چار پسندیدہ شعر لکھیے اور پسند ہونے کی وجہ بھی تحریر کیجیے۔

(د) اِس نظم کا خلاصہ بیان کیجیے۔

سوال نمبر۲: اس نظم کے تیرھویں شعر کی تشریح کیجیے۔

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) ”دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ ۔۔۔۔ ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ“۔ اس شعر میں یہ صنعت ہے:

(الف)مبالغہ (ب)تکرار (ج) تلمیح (د)حُسنِ تعلیل

(۲) نظم ” داستان تیاری میں باغ کی“ ہیئت کے لحاظ سے ہے:

(الف)مسدس (ب)رباعی (ج)مثنوی (د)مخمس

(۳) شعر ”دیے چار سُو آئنے جو لگا ۔۔۔۔ گیا چوگنا لطف اُس میں سما“ میں صنعت ہے:

(الف)تلمیح (ب)مبالغہ (ج)تکرار (د)تضاد

(۴) لفظ ”لخلخے“ کے معنی ہے:

(الف)ستارے (ب)اگر بتیاں (ج)الاؤ (د)ایک خوش بو دار گھاس

(۵) نرگس، یاسمین، موگرا اور جعفری ہیں:

(الف)زیور کے نام (ب)کپڑے کا نام (ج)درخت کا نام (د)پھولوں کے نام

سوال نمبر۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی بتائیے:

زربفت	مُقیّش	مَشام	دست بستہ	تارِ نظر	گُل کاری	خانہ باغ

حُسنِ تعلیل:

یہ شعر پڑھیے:

”پیاسی جو تھی حسینی سپہ تین رات کی ۔۔۔۔ ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی“

اس شعر میں دریاے فرات کی لہروں کے ساحل سے بار بار ”سر پٹکنے“ یا سَر مارنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ عالی مقام حضرت امام حسینؑ کا لشکر تین رات سے پیاسا تھا۔ دریاے فرات کو اس بات کا شدید صدمہ تھا کہ میں اس مقدس لشکر کی کوئی مدد نہیں کر پایا اس غم اور افسوس کی وجہ سے دریاے فرات کی لہریں کنارے پر سَر مار رہی تھیں۔ حالانکہ قدرتی طور پر دریا کے پانی کی لہریں ہوا سے اُٹھتی ہیں

اور ساحل پر آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر شاعر نے لہروں کے اس عمل کی وجہ افسوس اور صدمے کو قرار دیا ہے۔ شعر میں کسی بات کی ایسی وجہ بیان کرنا جو اصلی نہ ہو مگر حُسنِ بیان کے سبب حقیقی معلوم ہو "صنعتِ حُسنِ تعلیل" کہلاتا ہے۔

سوال نمبر۶ : آپ اس نظم میں "صنعتِ حُسنِ تعلیل" کا شعر تلاش کیجیے اور اُس کی وضاحت کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ اس نظم میں بیان کیے گئے تمام پھولوں کے نام اور ان کے معنی کسی لغت / تھیارس سے دیکھ کر لکھیں گے۔
- طلبہ اس نظم کے تمام قافیوں کو گروپوں کی شکل میں تقسیم ہو کر خوش خط لکھنے کا مقابلہ کریں گے۔

مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے یہ مثنیٰ سے مشتق ہے جس کے معنی دو، دو کیا گیا یا دو،دو کے ہیں۔ اس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کے قافیے الگ الگ ہوتے ہیں۔ مثنوی میں ردیف کا استعمال نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اس میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں۔ طویل اور مختصر دونوں طرح کی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو مثنوی کی صنف کے بارے میں بتائیے۔
- اس مثنوی میں بیان کردہ شعری خوبیاں طلبہ پر واضح کیجیے۔

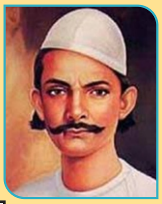

میر انیسؔ

- **پیدائش :** ۱۸۰۳ء فیض آباد (ہندوستان)
- **وفات :** ۷ دسمبر، ۱۸۷۴ء لکھنؤ
- **تصانیف :** رباعیات، سلام، مراثی

یا رب ! چَمنِ نظم کو گُل زارِ اِرم کر

حاصلاتِ تعلّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (۱) محفوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن بیان کرسکیں ۔ (۲) نظم کو اوصاف بلند خوانی کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔ (۴) مبالغے کی تعریف کرسکیں۔

یارب ! چمنِ نظم کو گل زارِ ارم کر   اے ابرِ کرم ! خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دَم کر   گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پر تَو سے نہ جائے
اِقلیمِ سخن میرے قلم رَو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری   بلبل کی زباں پر ہے تری شُکر گزاری
ہر نخل بَرومند ہے یا حضرتِ باری   پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبع نِکو کو
بلبل نے بھی سُونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بُو کو

غوّاصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی   ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
اِک ایک لڑی نظمِ ثریّا سے ہو عالی   عالَم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر ان کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبیؐ سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو   دریاے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلّم سے زباں کو   عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسنِ بیاں کو
تحسین کا سماوات سے غل تا بہ سمک ہو
ہرگوش بنے کانِ ملاحت، وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں   قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منوّر سے ملا دوں   خاروں کو نزاکت میں گُلِ تر سے ملا دوں
گل دستۂ معنٰی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ”چمنِ نظم“ سے شاعر کی کیا مراد ہے ؟
(ب) اس مرثیے میں مبالغے کی چند مثالیں تلاش کیجیے۔
(ج) اِس نظم میں کون کون سی تراکیب استعمال ہوئی ہیں ؟
(د) شاعر اِس مرثیے میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگ رہا ہے ؟
(ہ) آپ کے خیال میں اس نظم کا پسندیدہ شعر کون سا ہے ؟ پسندیدگی کی وجہ بھی بیان کیجیے۔
(و) بیان میں فصاحت کب پیدا ہوتی ہے ؟
(ز) اِس نظم کے کسی ایک بند میں ایسے الفاظ کی نشان دہی کیجیے جن میں معنوی تعلق ہو۔
(ح) کائنات کے کن مظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ”فیض کا مبدا“ ہے ؟

سوال نمبر۲ : اِس نظم کے دوسرے اور پانچویں بند کی وضاحت کیجیے۔

سوال نمبر۳ : اِس نظم کا مرکزی خیال تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۴ : درج ذیل تراکیب کے معنی بتائیے:

دُرِ مقصود	دُرجِ دہاں	کانِ ملاحت	دُرِ یکتا	اقلیمِ سُخن

مبالغہ:

یہ شعر غور سے دیکھیے:

”رونے پہ باندھ لے جو مری چشم تر کمر ----- کیسی زمیں، فلک پہ ہو پانی کمر کمر“

اس شعر میں شاعر نے اپنی چشم یعنی آنکھ کے رونے کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر میری آنکھ رونا شروع کردے تو میرے رونے سے زمین تو کیا، فلک پر بھی کمر کمر پانی چڑھ جائے۔ کلام میں کسی بات کو اپنی اصلی حالت سے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا ”مبالغہ“ کہلاتا ہے۔

سوال نمبر۵ : آپ اِس نظم میں صنعتِ مبالغہ کی نشان دہی کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ لائبریری سے میر انیؔس کے مرثیے تلاش کرکے اُن کے منتخب حصّے درست تلفّظ اور مناسب لہجے سے ہم جماعتوں کو سنائیں گے۔
- طلبہ مرثیے کی تعریف اور اُس کے اجزا، میر انیؔس کے حالاتِ زندگی یا اُن کی شاعری پر چند منٹ کی تقریر کریں گے۔

مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر کسی شخص کے دُنیا سے اُٹھ جانے پر اپنے جذباتِ غم کا اظہار کرتا ہے اور مرحوم کی خوبیاں کو بیان کرکے اُسے خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔ مرثیے کے لیے مخصوص ہیئت کی کوئی شرط نہیں۔

اُردو میں خاص طور پر شہدائے کربلا کے مرثیے لکھے گئے ہیں۔ اساتذۂ فن نے مرثیے کے آٹھ حصّے بیان کیے ہیں۔

ا۔ چہرہ	۲۔سراپا	۳۔رخصت	۴۔آمد
۵۔رجز	۶۔جنگ	۷۔شہادت	۸۔بین

آپ کی کتاب میں میر انیّس کے ایک مشہور مرثیے کا چہرہ دیا گیا ہے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو مشقی سوالات میں موجود اصطلاحات کا مطلب بتائیے۔
- طلبہ کو مُسدّس اور مُخمّس کا فرق سمجھائیے۔
- طلبہ کو کتاب میں شامل فرہنگ اور دیگر لُغات سے استفادے کی ترغیب دیجیے۔
- طلبہ کو صنفِ مرثیہ اور میر انیّس سے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائیے۔

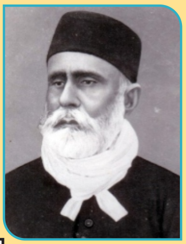

مولانا الطاف حُسین حاؔلی

- پیدائش : ۱۸۳۷ء پانی پت
- وفات : ۱۹۱۴ء پانی پت
- تصانیف : مقدمۂ شعر و شاعری، دیوانِ حالی، یادگارِ غالب ، حیاتِ جاوید، مُسدس مدّوجزرِ اسلام

چُپ کی داد

حاصلاتِ تعلُّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (ا) درسی تحریر (نظم) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجے، رموز اوقاف، اعتماد، زیرو بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۲) نظم میں رموزاوقاف کا درست استعمال کرسکیں۔ (۳) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۴) صنعتِ تضاد کی تعریف کرسکیں۔

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو، دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمھی، قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں
غم گیں دلوں کی شادیاں، دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہے وطن، تم بِن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس، جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو، عِفَّت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں، ایماں سلامت تم سے ہے

فطرت تمھاری ہے حیا، طِینَت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا، انساں عبارت تم سے ہے

مُونِس ہو خاوندوں کی تم، غم خوار فرزندوں کی تم
تم بِن ہے گھر ویران سب، گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی، ڈھارس ہو تم بے کار کی
دولت ہو تم نادار کی، عُسرَت میں عِشرَت تم سے ہے

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(ا) حالؔی نے نیکی کی تصویر کسے کہا ہے ؟
(۲) حالؔی نے عورتوں کی فطرت کسے کہا ہے ؟
(ج) حالؔی نے خواتین کی جو جو خوبیاں اور اوصاف بیان کیے ہیں، وہ سب تحریر کیجیے۔
(۴) حالؔی نے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی اہمیت کس طرح بیان کی ہے ؟
(۵) تیسرے شعر میں کون کون سی شعری صنعتیں موجود ہیں ؟ بتائیے۔

سوال نمبر۲: اس نظم کا مرکزی خیال لکھیے۔
سوال نمبر۳ : اس نظم کا خلاصہ لکھیے۔
سوال نمبر۴ : اس نظم کے قافیے لکھیے۔
سوال نمبر۵ : درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے:

صبر و رضا	گھُٹّی میں ہونا	بِن	غم خوار	حلاوت

سوال نمبر٦ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(ا) لفظ ”مہر و وفا“ میں مہر سے مراد ہے:
(الف)بیوی کا مہر (ب)سورج (ج)محبت (د)خاتون کا نام

(۲) ”اے ماؤ ! بہنو ! بیٹیو !“ میں یہ رمزِ وقف استعمال ہوئی ہے:
(الف) سکتہ (ب)ختمہ (ج)ندائیہ (د)استفہامیہ

(۳) نظم میں ”حلاوت“ اس معنی میں استعمال ہوا ہے:
(الف)شہد (ب)مٹھائی (ج)مٹھاس (د)شربت

(۴) ”عسرت میں عشرت“ سے مراد ہے:
(الف) خوش حالی میں عیش و عشرت (ب)مہنگائی میں گزارا کرنا
(ج) ویرانی میں رونق (د) غریبی میں خوش رہنا

(۵) اس نظم کی ہیئت ہے:
(الف)غزل (ب)مثنوی (ج)مخمس (د)مسدّس

تضاد:

”لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے“

اس شعر میں الفاظ ”حیات اور قضا“ اور ”آئے اور چلے“ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ لفظ ایک دوسرے

کی ضد ہیں۔ کلام میں ایسے الفاظ کا لانا جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں، تضاد کہلاتے ہیں۔
سوال نمبر۷ : اس نظم سے "صنعتِ تضاد" کے الفاظ تلاش کرکے لکھیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ دو گروہوں میں تقسیم ہوکر ایک دوسرے کو ایک ایک شعر اوصافِ بلند خوانی کے لحاظ سے سنائیں گے۔ غلطی کی صورت میں سننے والا گروہ سنانے والے کی اصلاح کرے گا۔
- طلبہ کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو اگلے صفحات کی نظموں یا غزلوں کے اشعار لکھوائے گا اور سننے والا گروہ درست رموزِ اوقاف استعمال کرتے ہوئے اشعار لکھے گا۔ پھر آپس میں تحریر شدہ اشعار بدل کر ایک دوسرے کی کتاب دیکھ کر اصلاح کریں گے۔
- طلبہ اپنی جماعت میں دو گروپ بنا کر یا مختلف جماعتوں سے مقابلۂ بیت بازی منعقد کریں گے۔

نظم، تسلسل پر مبنی اشعار کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس میں ایک مرکزی خیال ہو اس کے لیے کسی موضوع کی قید نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ہیئت متعیّن ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ پابند نظم : ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔
۲۔ نظم معرّا : ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر ہوں مگر اس میں قافیے کی پابندی نہ ہو۔
۳۔ آزاد نظم : ایسی نظم جس میں ردیف اور قافیے کے بغیر وزن، لے، سُر اور تال کا لحاظ کرتے ہوئے چھوٹے بڑے مصرعوں کے ذریعے نظم پیش کی جائے۔ آزاد نظم میں خیال اور جذبے کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔
۴۔ نثری نظم : نثری نظم میں ردیف، قافیے، وزن کی پابندی نہیں ہوتی۔ یہ چھوٹی بڑی نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

برائے اساتذہ

- تینوں سرگرمیوں کو اپنی نگرانی میں کرائیے۔
- بلند خوانی کے اوصاف طلبہ پر واضح کیجیے یعنی صحتِ تلفظ، مناسب لب و لہجہ، رموزِ اوقاف، اعتماد، روانی اور زیرو بم کے لحاظ سے پڑھوانے کے لیے پہلے خود عملی نمونہ پیش کیجیے پھر اُن سے پڑھوائیے۔ ضرورت ہو تو ان کی اصلاح کیجیے۔

علاّمہ محمد اقبال

- پیدائش : ۹ - نومبر ۱۸۷۷ء سیال کوٹ
- وفات : ۲۱ - اپریل ۱۹۳۸ء لاہور
- تصانیف : بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی،

مردِ مسلمان

حاصلاتِ تعلّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (ا)سُن کر نسبتاً طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲)شعر سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔ (۳)بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی بُرہان

قہاری و غفاری و قدوسی و جَبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

ہم سایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہَل جائیں، وہ طوفان

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا، صفتِ سورۂ رحمٰن

بنتے ہیں مِری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدّر کے ستارے کو تو پہچان

(ماخوذ از کُلیاتِ اقبال)

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اقبال کے نزدیک کون کون سے عناصر مسلمان بننے کے لیے ضروری ہیں ؟
(ب) اقبال کے نزدیک جبریلِ امین کا ہم سایہ کون ہے ؟
(ج) دنیا اور قیامت میں میزان سے اقبال کی کیا مرا د ہے ؟
(د) اقبال نے مومن کو "شبنم اور طوفان" کیوں کہا ہے ؟
(ہ) مومن کو سورۂ رحمٰن کی مانند آہنگ میں یکتا کیوں کہا ہے ؟

سوال نمبر ۲:اس نظم کے پہلے اور چھٹے شعر کا مطلب لکھیے۔

سوال نمبر ۳ : درج ذیل مصرعوں میں کون کون سی خوبیاں پائی جاتی ہیں:

(ا) "قہاری و غفاری و قدوسی و جَبروت"
(۲) "دنیا میں بھی میزان، قیامت میں بھی میزان"

سوال نمبر۴: آخری شعر میں اقبال نے کیا اہم بات بیان کی ہے ؟

سوال نمبر ۵ : درج ذیل الفاظ کے ہم معنی الفاظ تھیسارس یا لغت میں دیکھ کر لکھیے:

جبریل	برہان	لالہ	دریا	آہنگ

سوال نمبر۶ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(ا) "بندۂ خاکی" سے اقبال کی مراد ہے :
(الف)خاک کا پتلا (ب)خاک آلودہ انسان
(ج)کم زور انسان (د)خدا کا فرماں بردار انسان

(۲) اقبال نے مومن کو "اللہ کی برہان" کہا ہے:
(الف)شرعی لباس کی وجہ سے (ب)تلاوتِ قرآن کی وجہ سے
(ج)حج و عمرہ کی وجہ سے (د)قول و فعل کی خوبیوں کی وجہ سے

(۳) "بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم" میں "کارگہِ فکر" سے مُراد ہے:
(الف)انسان (ب)عالَم (ج)مقدّر (د)شاعری

(۴) اس نظم میں ان دو شہروں کا ذکر کیا گیا ہے:
(الف)تاشقند اور سمرقند (ب)بخارا بدخشاں (ج)اصفہان و مشہد (د)شیراز و قُم

سوال نمبر ۷: اِس نظم کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ آپس میں گروپ بنائیں گے اور ایک گروپ ایک مصرع سنائے گا اور دوسرا گروپ اسی شعر کا دوسرا مصرع زبانی بتائے گا۔
- طلبہ جماعت کے دو گروپ بنائیں گے اور بیت بازی کا مقابلہ کریں گے ۔ حرف "ن" سے آغاز ہوگا۔ (اشعار معیاری اور ادبی ہوں)

برائے اساتذہ

- سرگرمیوں کی نگرانی اور اس دوران ضروری اصلاح کیجیے۔
- سبق کے تمام سوالوں کی تفہیم کے لیے طلبہ کی رہ نمائی کیجیے۔
- تھیسارس کے استعمال میں طلبہ کی مدد کیجیے۔ اگر تھیسارس نہ ہو تو کسی معیاری لغت سے قریب المعنی الفاظ کے انتخاب میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

احسان دانش

- **پیدائش :** ۲ - فروری ۱۹۱۴ء کاندھلا (ہندوستان)
- **وفات :** ۲۱ - مارچ ۱۹۸۲ء لاہور
- **تصانیف :** جادۂ نو، دردِ زندگی، نفیرِ فطرت، شیرازہ، ابرِ نیساں، فصلِ سلاسل، جہانِ دانش

نوائے سروش

حاصلاتِ تعلّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (ا)نسبتہً طویل کلام سُن کر اپنے لفظوں میں بیان کرسکیں۔ (۲) درسی تحریر (نظم) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجے، رموز اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۴)"حسنِ تکرار" کی تعریف کرسکیں۔

اُمیدِ فتح رکھو اور عَلَم اٹھائے چلو
عَمَل کے ساتھ مقدّر کو آزمائے چلو

مسافروں میں مسافت کا ذکر، کیا معنی؟
فضا پکار رہی ہے، قدم بڑھائے چلو

بجا ، بجا، کہ اندھیرا ہے شاہ راہوں میں
چراغِ فکر جہاں تک جلے، جلائے چلو

یہ دُور آگ نہیں، روشنی ہے منزل کی
قدم ملا کے بڑھو اور عَلَم اٹھائے چلو

سفینہ غرق ہو یا کوئی گھاٹ پر اترے
تمھارا فرض یہ ہے، روشنی دکھائے چلو

جو برق رَو ہیں انھیں دو اُصولِ ہم سَفَری
جو تیز گام نہیں، ان کا دل بڑھائے چلو

نہیں ہے شاخ تراشی ہی شاملِ دانشؔ
رَوِش رَوِش پہ نئے پھول بھی کِھلائے چلو

(ماخوذ از "جہانِ دانش")

مشق

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) شاعر کے نزدیک مقدر آزمانے کی کیا شرط ہے ؟
(ب) مسافر کو شاعر نے فاصلے کا ذکر کرنے سے کیوں منع کیا ہے ؟
(ج) تیسرے اور پانچویں شعر کی تشریح کیجیے۔
(د) شاعر نے مقطعے میں کیا نصیحت کی ہے ؟ واضح کیجیے۔
(ہ) شاعر کے نزدیک برق رَو کے لیے اصولِ ہم سفری کیا ہوسکتے ہیں ؟

سوال نمبر۲: اس نظم کا مرکزی خیال لکھیے۔

سوال نمبر۳: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے:

برق رو	چراغِ فکر	قدم ملانا	تیز گام	شاخ تراشی	نوائے سروش	رَوِش

سوال نمبر۴: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) ”گھاٹ پر اُترنا“ کے معنی ہیں:
(الف)گھاٹا ہوجانا (ب)دھوبی گھاٹ پر آنا
(ج)ساحل پر پہنچنا (د)ہوائی جہاز کا گھاس پر اترنا

(۲) ”بجا بجا کہ اندھیرا ہے شاہ راہوں میں“ اس مصرعے میں مناسب رمزِ وقف آئے گی:
(الف)وقفہ (ب)ندائیہ (ج)سوالیہ (د)ختمہ

(۳) اوصاف بلند خوانی میں یہ وصف بھی شامل ہے:
(الف)تیز رفتاری (ب)صحتِ تلفظ (ج)ترنم (د)دھیمی آواز

(۴) لفظ ”عَلَم“ کی جمع ہے:
(الف)عُلُوم (ب)اَعلام (ج)اَعلَم (د)عُلَمَا

(۵) ”تیزگام“ سے شاعر کی مراد ہے:
(الف)تیز ذہن والے (ب)تیز زبان والے (ج)تیزقدم والے (د)تیز سوچ والے

حُسنِ تکرار:

”چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر ۔۔۔۔۔ اور اٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر“
”بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی ۔۔۔۔۔ سبزے کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی“
”آتی اِدھر صبا ہے، اُدھر سے نسیم بھی ۔۔۔۔۔ اور ان کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی“
درج بالا اشعار میں الفاظ ”چوم چوم کر“، ”جھوم جھوم کر“، ”ٹھنڈی ٹھنڈی“ اور ”ساتھ ساتھ“ استعمال

ہوئے ہیں۔ اس طرح ایک ہی لفظ کے بار بار استعمال سے شعر میں جو خوبی پیدا ہوتی ہے، اُسے "صنعتِ تکرار" کہتے ہیں۔

سوال نمبر۷ : آپ اس نظم میں سے "صنعتِ تکرار" تلاش کر کے لکھیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ دو گروہوں میں تقسیم ہوکر بیت بازی کے اصول کے تحت مقابلہ کریں گے۔
- طلبہ دو یا زیادہ گروہوں میں تقسیم ہو کر اوصاف بلند خوانی کے مطابق ایک ایک شعر پڑھیں گے۔
- طلبہ جوڑیوں میں کمرۂ جماعت میں تقسیم ہوجائیں ۔ باری باری ایک طالبہ/طالب علم شعر سنائے۔ دوسری طالبہ/طالب علم اپنے لفظوں میں بیان کریں گے۔

برائے اساتذہ

- اپنی نگرانی میں ہر سرگرمی اس کے تقاضوں کے مطابق طلبہ سے کرائیے۔
- لغت یا تھیسارس کے استعمال میں طلبہ کی مدد کیجیے۔
- طلبہ کو بہ طور خاص بیت بازی کے اُصول اور فوائد بتائیے۔
- طلبہ کو اوصافِ بلند خوانی واضح طور پر بتائیے۔

رباعیات

حاصلاتِ تعلّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (۱)نسبتہً طویل کلام سُن کر اپنے لفظوں میں بیان کرسکیں۔ (۲)بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۳)کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔ مثلاً: مسدس، مخمس، مرثیہ وغیرہ کی شناخت

میر انیس

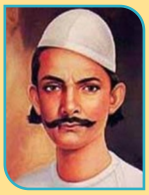

- **پیدائش :** ۱۸۰۳ء فیض آباد
- **وفات :** ۷ دسمبر، ۱۸۷۴ء لکھنؤ
- **تصانیف :** رباعیات، سلام، مراثی

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں، بوے دوستانِ یک رنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

امجد حیدرآبادی

- **پیدائش :** یکم جنوری ۱۸۷۸ء حیدرآباد دکن
- **وفات :** ۳۱ - جنوری ۱۹۶۱ء حیدرآباد دکن
- **تصانیف :** گلستانِ امجد، حکایاتِ امجد، صبحِ امجد، پیامِ امجد، رباعیاتِ امجد

ہر چیز مُسبّبِ سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

جوش ملیح آبادی (شبّیر حسن خان)

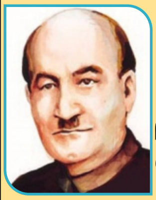

- **پیدائش :** ۵ - دسمبر ۱۸۹۸ء ملیح آباد لکھنؤ
- **وفات :** ۲۲ - فروری ۱۹۸۲ء اسلام آباد
- **تصانیف :** "روحِ ادب" (مجموعہ نظم و نثر)، "شعلہ و شبنم" (نظموں اور غزلوں کا مجموعہ)، "جنون و حکمت" (رباعیوں کا مجموعہ)، "یادوں کی برات" (آپ بیتی)

عرفانِ حیات

دنیا میں ہیں بے شمار آنے والے
آتے ہی رہیں گے روز جانے والے
عرفانِ حیات ہو مبارک تجھ کو
اے شدتِ غم پہ مسکرانے والے

صادق دہلوی (صادق حسین نقوی)

- **پیدائش :** ۱۸۹۵ء لدھیانہ (ہندوستان)
- **وفات :** ۱۹۷۷ء کوئٹہ
- **تصنیف :** رباعیاتِ صادق

حبِ وطن

جلوہ ہو تو سورج کی کرن ہی میں رہو
تم پھول اگر ہو تو چمن ہی میں رہو
ہر لمحہ رہے یادِ وطن حبِ وطن
پردیس میں رہ کر بھی وطن ہی میں رہو

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) انیسؔ نے اپنی رباعی میں کن دو خوبیوں کا ذکر کیا ہے ؟ وہ خوبیاں بیان کیجیے۔

(ب) جوشؔ نے اپنی رباعی میں زندگی کی کیا حقیقت بیان کی ہے ؟

(ج) امجدؔ حیدرآبادی نے اپنی رباعی میں کیا نصیحت کی ہے ؟ تفصیل سے بتائیے۔

(د) حبِّ وطن کے تقاضے کے طور پر صادقؔ دہلوی نے کیا ترغیب دی ہے ؟ واضح کیجیے۔

(ہ) اپنی پسند کی کوئی اور رباعی تحریر کیجیے۔ پسند کی وجہ بھی لکھیے۔

سوال نمبر۲ : رباعی کے کیا معنی ہیں ؟ اس کی ہیئت بیان کیجیے۔

سوال نمبر۳ : جوشؔ ملیح آبادی کی رباعی کا مرکزی خیال لکھیے۔

سوال نمبر۴ : صادقؔ دہلوی کی رباعی ”حبِّ وطن“ سے ہمیں کیا تعلیم ملتی ہے ؟

سوال نمبر۵ : لفظ مُسبِّب کے کیا معنی ہیں اور امجدؔ حیدرآبادی نے اپنی رباعی میں کیا پیغام دیا ہے ؟

سوال نمبر۶ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) انیسؔ کی رباعی میں ”یک رنگ“ سے مُراد ہے:

(الف)ایک رنگ والے (ب)محفل والے (ج)خلوص والے (د)مطلبی

(۲) لفظ ”مسبب“ کا درست تلفظ ہے:

(الف)مُسَبَبْ (ب)مَسَبَّب (ج)مِسبَّب (د)مُسبِّب

(۳) جوشؔ کی رباعی میں ”عرفانِ حیات“ کا مطلب ہے:

(الف)زندگی کی حقیقت کو سمجھنا (ب)زندگی کی مشکلات کو سمجھنا

(ج)زندگی کے مسائل کو حل کرنا (د)ایک شخص کا نام

(۴) میر انیسؔ کی رباعی ہمیں تعلیم دیتی ہے:

(الف)اپنی مرضی چلانا چاہیے (ب)لوگوں کی خوبیاں دیکھنی چاہیے

(ج)برداشت سے کام لینا چاہیے (د)بے شعور لوگوں سے تعریف سننا چاہیے

(۵) صادقؔ دہلوی کی رباعی ہمیں تعلیم دیتی ہے:

(الف)گلستان کی (ب)حبِ وطن کی

(ج)باغ کا گوشہ بننے کی (د)گھر کو یاد رکھنے کی

سرگرمیاں

- طلبہ مختلف گروپوں میں تقسیم ہوجائیں گے اور ہر گروپ ایک ایک رباعی زبانی یاد کرکے دوسرے گروپ کو سنائے۔ دوسرا گروپ کتاب سے تصدیق کرکے پہلے گروپ کی اصلاح کرے گا۔ اسی طرح پہلا گروپ کتاب دیکھ کر دوسرے گروپ کی اصلاح کرے گا۔
- ان رباعیات کا کچھ نہ کچھ اثر انسانی اخلاق پر پڑتا ہے لہٰذا ہر گروپ ایک ایک رباعی لے لے گا اور اس کی تشریح و توضیح کرکے دوسرے گروپ کو سنائے گا۔
- طلبہ بیت بازی کا اہتمام کریں گے۔ معلّم/ معلّمہ فیصلہ کریں گے کہ کس گروپ سے بیت بازی کا آغاز کیا جائے یا طلبہ خود ہی چِٹ اٹھا کر فیصلہ کریں گے۔

- رباعی چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعے لازماً ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرعے میں قافیہ ضروری نہیں۔
- رباعی کے پہلے تین مصرعے تین سیڑھیوں کی طرح ہوتے ہیں جو قاری کو بہ تدریج ایک ایسی بلندی تک لے جاتے ہیں جہاں چوتھا مصرع اپنا بھرپور جلوہ دکھاتا اور بات مکمل کرتا ہے۔ رباعی کہنے کے لیے بارہ اوزان مخصوص ہیں۔
- رباعی کے لیے کوئی موضوع مخصوص نہیں ہے۔ عام طور پر اس میں فلسفیانہ، اخلاقی اور نصیحت آموز مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔

برائے اساتذہ

- معلّم / معلّمہ طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے اور ضرورت پڑنے پر ان کی اصلاح کیجیے۔
- رباعی کی تعریف اور تشریح طلبہ کو اچھی طرح بتائیے۔

قطعات

حاصلاتِ تعلّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (ا)شعر سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔
(۲)بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۳)کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔
مثلاً : مسدس، مخمس، مرثیہ وغیرہ کی شناخت۔

علّامہ محمد اقبال

پیدائش : ۹ - نومبر ۱۸۷۷ء سیال کوٹ
وفات : ۲۱ - اپریل ۱۹۳۸ء لاہور
تصانیف : بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز، اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی

تن بہ تقدیر

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر
تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو ناخوب، بہ تدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

رئیس امروہوی

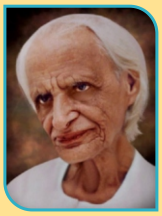

پیدائش : ۱۲ - ستمبر ۱۹۱۴ء امروہہ
وفات : ۲۲ - ستمبر ۱۹۸۸ء کراچی
تصانیف : قطعات (حصّہ اول و دوم)، مثنوی لالۂ صحرا، آثار، حکایت نے

مہک

گھنگور گھٹا کہاں کہ فی الحال
اڑتا ہے غبار سا ہوا میں
سنتے ہیں کہ آرہی ہے برکھا
ساون کی مہک نہیں فضا میں

مشق

سوال نمبر ۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ”تن بہ تقدیر“ سے کیا مراد ہے ؟
(ب) اقبال نے اپنے قطعے میں کیا پیغام دیا ہے ؟
(ج) غلامی سے قوموں کا ضمیر کس طرح بِک جاتا ہے ؟
(د) قطعے کی تعریف لکھیے اور مثال میں کوئی قطعہ بھی لکھیے۔

سوال نمبر ۲ : اقبال کے اس قطعے کی تعلیمات کو اپنے لفظوں میں لکھیے۔

سوال نمبر ۳ : رئیس امروہوی کے قطعے میں کس تبدیلی کی طرف اشارہ ہے ؟

سوال نمبر۴: کسی اور کتاب یا رسالے میں سے کوئی قطعہ نقل کر کے لکھیے اور پسندیدگی کی وجہ بھی بتائیے۔

سوال نمبر۵: درج ذیل الفاظ و مرکبات کے معنی لکھیے:

تن بہ تقدیر	گھنگور	بہ تدریج	ساون	ترکِ جہاں

سوال نمبر۶: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) قطعے میں اشعار ہوتے ہیں:
(الف)چار (ب)آٹھ (ج)آٹھ سے زیادہ (د)کوئی قید نہیں

(۲) ہیئت کے لحاظ سے قطعے میں لازمی ہے:
(الف) تخلص (ب)قافیہ (ج)ردیف (د)عنوان

(۳) ”مہ و پروین“ سے مراد ہے:
(الف)چاند اور سورج (ب)چاند اور تارے (ج)دو خواتین کے نام (د)قطب ستارہ

(۴) اقبال نے اس نظم میں مسلمانوں کو تعلیم دی ہے:
(الف)علم حاصل کرنے کی (ب)تجارت کرنے کی
(ج)دنیا ترک کردینے کی (د)غلامی ترک کردینے کی

(۵) رئیس امروہوی کے قطعے میں لفظ ”مہک“ سے مراد ہے:
(الف)خوش بُو (ب)بُو (ج)عطر (د)آثار

سرگرمیاں

- طلبہ دو گروپ بنا کر بیت بازی کا اہتمام کریں گے۔
- طلبہ مختلف اصنافِ سخن کسی اخبار یا ہفت روزہ رسالے یا کسی دیوان سے نقل کر کے لائیں گے۔

- قطعہ کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں اور اصطلاحی معنوں میں ایسے چند اشعار کے مجموعے کو قطعہ کہا جاتا ہے جو ایک ہی مضمون پر مشتمل ہوں۔ قطعے کے تمام اشعار کے مصرعہ ہائے ثانی ہم قافیہ ہوتے ہیں۔
- قطعہ ایک صنفِ شعر ہے جس میں قوافی کی ترتیب غزل کے مطابق ہوتی ہے لیکن اس میں مطلع نہیں ہوتا۔ مقطع اور ردیف بھی ضروری نہیں ہوتی۔ قطعے کے لیے کم سے کم دو اشعار کا ہونا ضروری ہے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو قطعے، غزل، نظم، قصیدے، مرثیے، مخمس، مسدس اور رباعی کے بارے میں سمجھائیے۔

انور مسعود

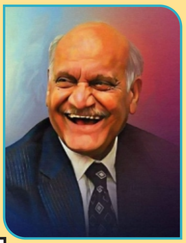

- **پیدائش:** نومبر ۱۹۳۵ء گجرات (پاکستان)
- **تصانیف:** شاخِ تبسم، غنچہ پھر لگا کھلنے، میلی میلی دھوپ، قطعہ کلامی

سائیڈ اِفیکٹس

حاصلاتِ تعلّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (ا)نسبتہً طویل کلام سُن کر اپنے لفظوں میں بیان کرسکیں۔ (۲)نظم میں رموزِ اوقاف کا درست استعمال کرسکیں۔ (۳)تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (غزل، نظم وغیرہ) کا مناسب انتخاب کرکے پیش کرسکیں۔

سر درد میں گولی یہ بڑی زُود اثر ہے
پر تھوڑا سا نقصان بھی ہو سکتا ہے اِس سے
ہو سکتی ہے پیدا کوئی تبخیر کی صورت
دل تنگ و پریشان بھی ہو سکتا ہے اِس سے
ہوسکتی ہے کچھ ثقلِ سماعت کی شکایت
بے کان کوئی کان بھی ہوسکتا ہے اِس سے
ممکن ہے خرابی کوئی ہوجائے جگر میں
ہاں آپ کو یرقان بھی ہوسکتا ہے اِس سے
پڑ سکتی ہے کچھ جِلد خراشی کی ضرورت
خارش کا کچھ امکان بھی ہوسکتا ہے اِس سے
ہوسکتی ہیں یادیں بھی ذرا اس سے متاثّر
معمولی سا نِسیان بھی ہوسکتا ہے اِس سے
بینائی کے حق میں بھی یہ گولی نہیں اچھی
دیدہ کوئی حیران بھی ہوسکتا ہے اِس سے
ہوسکتا ہے لاحق کوئی پیچیدہ مرض بھی
گردہ کوئی ویران بھی ہوسکتا ہے اِس سے

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) انور مسعود اردو ادب میں کس حیثیت سے مشہور ہیں ؟
(ب) اس نظم میں گولی کے کتنے سائیڈ اِفیکٹس بتائے گئے ہیں ؟
(ج) انور مسعود کی یہ نظم کس حد تک کام یاب مزاحیہ نظم ہے ؟
(د) اس مزاحیہ نظم کے قوافی بتائیے۔

سوال نمبر۲ : اِس نظم کا مرکزی خیال بتائیے۔

سوال نمبر۳ : انور مسعود کی کوئی اور مزاحیہ نظم تلاش کرکے لائیے۔

سوال نمبر۴ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) لفظ ”تبخیر“ سے مراد ہے:
(الف) بخار آجانا (ب) بخارات بن کے اڑ جانا
(ج) معدے میں ریاح (گیس) کا پیدا ہونا (د) پیاس لگنا

(۲) ”یرقان“ کہتے ہیں:
(الف) بخار کو (ب) فالج کو (ج) پیلیا یعنی جگر کی بیماری کو (د) حافظے کی خرابی کو

(۳) ”زود اثر“ کا مطلب ہے:
(الف) زور دار (ب) رنگ بدلنے والی (ج) فوری اثر کرنے والی (د) بے اثر

(۴) ”معمولی سا نِسیان بھی ہوسکتا ہے اس سے“ اس میں نِسیان ہے:
(الف) نقصان (ب) نسوں کی خرابی (ج) چکّر آنا (د) بھولنے کا مرض

(۵) ”دیدہ کوئی حیران“ میں دیدہ سے مراد ہے:
(الف) کان (ب) گردہ (ج) آنکھ (د) ہاتھ

سرگرمی

- طلبہ آپس میں جوڑیاں بنائیں گے پھر دونوں طلبہ ایک دوسرے کو رموزِ اوقاف کے لحاظ سے اشعار سنائیں گے اور آپس میں اصلاح کریں گے۔ ضرورت پڑنے پر معلّم / معلّمہ سے مدد لیں گے۔

- طنز : زندگی کے مضحک، قابلِ گرفت اور نفرت انگیز پہلوؤں پر مخالفانہ اور ظریفانہ تنقید طنز کہلاتی ہے۔ طنز کا اظہار نظم و نثر دونوں میں ہوسکتا ہے۔
- مزاح : معاشرے کی ناہمواریوں/خرابیوں کو شگفتہ انداز میں بیان کرنا مزاح کہلاتا ہے۔

طنز اور مزاح میں فرق یہ ہے کہ طنز نفرت اور برہمی سے جنم لیتا ہے اور مزاح محبّت اور ہم دردی سے۔ طنز میں زہر ناکی، نشتریت، کاٹ، تضحیک اور بعض اوقات چڑچڑاپن نمودار ہوتا ہے۔ مزاح ان سے معرا ہوتا ہے اور صرف اپنی لطافت و خوش طبعی کے سہارے زندہ رہتا ہے۔ خالص مزاح کو طنز کی ضرورت نہیں طنز ہر حال میں مزاح کا محتاج ہے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو مزاحیہ نظم کی خصوصیات بتائیے اور ان سے کسی اور شاعر کی مزاحیہ نظم تلاش کروائیے۔

ساقی جاوید (سیّد شوکت علی)

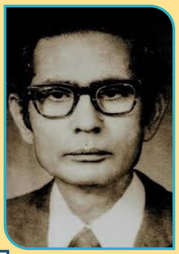

- پیدائش : ۱۹۲۵ء ناگ پُور (ہندوستان)
- وفات : ۱۹۹۴ء کراچی

چاند میری زمیں

حاصلاتِ تعلُّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (۱)شعر سُن کر محفوظ ہوسکے اور اس کے محاسن ومعائب کی تفہیم کرسکیں۔
(۲)درسی تحریر (نظم) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجے، رموزِ اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔
(۳)بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔

چاند میری زمیں، پھول میرا وطن   چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

میرے ملاح لہروں کے پالے ہوئے
میرے دہقاں پسینوں کے ڈھالے ہوئے
میرے مزدور اس دور کے کوہ کَن
چاند میری زمیں، پھول میرا وطن   چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

میرے فوجی جواں جراَتوں کے نشاں
میرے اہلِ قلم عظمتوں کی زباں
میرے محنت کشوں کے سنہرے بدن
چاند میری زمیں، پھول میرا وطن   چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

میری سرحد پہ پہرا ہے ایمان کا
میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا
میرا ایک اِک سپاہی ہے خیبر شکن
چاند میری زمیں، پھول میرا وطن   چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

میرے دہقاں یُونہی ہل چلاتے رہیں
میری مٹی کو سونا بناتے رہیں
گیت گاتے رہیں میرے شعلہ بدن
چاند میری زمیں، پھول میرا وطن   چاند میری زمیں، پھول میرا وطن

(ماخوذ از "چاند میری زمیں") ساقی جاوید

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اس نظم کی ہیئت کا نام لکھیے۔
(ب) ساقی جاوید نے پہلے بند میں کن کن لوگوں کے لیے کیا کیا مثالیں دی ہیں ؟
(ج) زمین اور چاند کا استعارہ کس چیز کے بارے میں ہے ؟
(د) دوسرے اور چوتھے بند کی تشریح کیجیے۔

سوال نمبر۲ : لفظ ”خیبر شکن“ کس صنعت یا شاعرانہ خوبی کو ظاہر کرتا ہے ؟

سوال نمبر۳ : درج ذیل تراکیب کے معنی لکھیے:

شعلہ بدن	عظمتوں کی زبان	اہلِ قلم	لہروں کے پالے	کوہ کن

سوال نمبر۴ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) ”میرے دہقاں پسینوں کے ڈھالے ہوئے“ سے مراد ہے:
(الف) دہقانوں کے پاس ڈھال ہے
(ب) دہقان ڈھالیں تیار کرتے ہیں
(ج) دہقان شدید محنتی ہے
(د) دہقانوں کا پسینا بہ رہا ہے

(۲) ”میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا“ سے مراد ہے:
(الف) شہروں میں قرآن شریف موجود ہے
(ب) قرآن پاک شہروں میں شایع کیے جاتے ہیں
(ج) قرآن پاک شہروں میں پڑھا جاتا ہے
(د) میرے وطن پر قرآن پاک کی برکات ہیں

(۳) ”میرے فوجی جواں جرأتوں کے نشاں“ سے مراد ہے:
(الف) میرے فوجی جوان جرأت کی علامت ہیں
(ب) میرے فوجی جوان ہمّت سے نشانے پر مارتے ہیں
(ج) میرے وطن کے سپاہی ٹھیک نشانے پر مارتے ہیں
(د) میرے وطن کے سپاہیوں کو جرأتوں کا نشان ملتا ہے

(۴) ”میری مٹی کو سونا بناتے رہیں“ سے مراد ہے:
(الف) میرے وطن کے مزدور بلوچستان میں سونے کے ذخیرے دریافت کرتے رہیں
(ب) میرے وطن کے کسان زمین پر فصلیں اگاکر ملک کو مالا مال کرتے رہیں
(ج) میرے وطن کے کمھار مٹّی کے بہترین برتن بنا کر سونا کماتے رہیں
(د) میرے وطن کی مٹّی کو صاف کرکے سنار سونا نکالتے رہیں

(۵) لفظ "خیبر شکن" میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ میرا ہر سپاہی:

(الف) اسلام کے مخالفین کو شکست دینے والا ہے۔

(ب)اپنے ملک کو مخالفوں سے پاک کردینے والا ہے۔

(ج)حضرت علیؓ کے نقش قدم پر چلنے والا ہے۔

(د) خیبر شکن توپ چلاتا ہے۔

سرگرمیاں

- طلبہ اس قومی نغمے کو زبانی یاد کرکے دو گروپوں میں تقسیم ہو کر باری باری پہلا گروپ پہلے بند کو ترنم سے پڑھے گا، پھر دوسرا گروپ دوسرے بند کو پڑھے گا اسی طرح تیسرا پھر چوتھا بند پڑھیں گے۔
- طلبہ اسی طرح کا کوئی اور قومی نغمہ مختلف ذرائع سے حاصل کرکے جماعت کو سنائیں گے۔
- طلبہ اس طرح کا کوئی اور قومی نغمہ لائبریری یا کسی اخبار سے تلاش کرکے لائیں گے اور کمرۂ جماعت میں سنائیں گے۔

- قومی شاعری سے مراد وہ مقصدی شاعری ہے جو قومی امنگوں کی ترجمان ہو اور جس میں قوم کا درد، قوم کی خوش حالی کی تمنّا اور ترقّی کی آرزو ہو۔

برائے اساتذہ

- اس نغمے کے مرکب الفاظ، تشبیہات اور صنعتِ تلمیح طلبہ کو وضاحت سے سمجھائیے۔

افتخار عارف

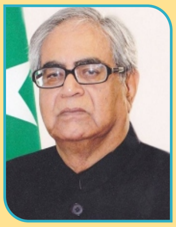

پیدائش : مارچ ۱۹۴۴ء لکھنؤ

شعری مجموعے : بارھواں کھلاڑی، مہرِ دونیم، حرفِ باریاب، جہانِ معلوم، شہرِ علم کے دروازے پر، کتابِ دل و دنیا

اِستِغاثہ

حاصلاتِ تعلّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (ا)شعر سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔ (۲)کسی منظوم تحریر پر استحسانی گفتگو کرسکیں۔ (۳)کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔مثلاً : مسدس، مخمس، مرثیہ وغیرہ کی شناخت

تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا ؟
ہمارے سب خواب وقت کی بے لحاظ آندھی میں جل بجھیں گے ؟
وہ نیم دریا و چاہِ تاریک و آتشِ سرد و جاں نوازی کے سلسلے ختم ہوگئے کیا ؟
تو کیا کوئی معجزہ نہ ہوگا؟
خدائے زندہ ! یہ تیری سجدہ گزار بستی کے سب مکینوں کی التجا ہے
کوئی تو ایسی سبیل نکلے کہ تجھ سے منسوب گُل زمینوں کی عظمتیں پھر سے لَوٹ آئیں
وُہ عفو کی، درگزر کی، مہر و وفا کی بُھولی روایتیں پھر سے لوٹ آئیں
وہ چاہتیں، وہ رَفاقتیں، وہ محبتیں پھر سے لَوٹ آئیں۔

(ماخوذ از ”مہرِ دو نیم“)

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(ا) افتخار عارف اپنی آزاد نظم میں خدا سے کیا دعا کررہے ہیں ؟
(۲) اس نظم کی آخری تین مصرعوں میں عارف صاحب کی کیا تمنّا ہے ؟
(۳) یہ نظم کہاں تک آزاد نظم کے معیار پر پوری اترتی ہے ؟
(۴) شاعر کے نزدیک اب حالات ٹھیک ہونے کا کیا امکان ہے ؟

سرگرمیاں

- طلبہ اس نظم کی زبان اور اظہار خیال کے بارے میں جوڑے بنا کر گفتگو کریں گے اور خوبیاں تلاش کریں گے۔
- افتخار عارف کی کوئی اور نظم لائبریری یا دکان سے کتاب لے کر نقل کریں گے اور اپنا تبصرہ لکھیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو آزاد نظم کے انداز اور خیالات کی جِدّت سے آگاہ کیجیے۔

پروین شاکر

- پیدائش : ۲۴ نومبر - ۱۹۵۲ء کراچی
- وفات : ۲۶ دسمبر ۱۹۹۴ء اسلام آباد
- تصانیف : خوشبو، صد برگ، انکار، خود کلامی، ماہِ تمام (کلیات)

مشورہ

حاصلاتِ تعلّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (۱)سُن کر کلام کے اہم نکات، جملے، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲)منظوم اصناف کے طرزِ بیان سے آگاہ ہوسکیں۔(۳)بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔ (۴) تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (غزل، نظم وغیرہ) کا مناسب انتخاب کرکے پیش کرسکیں۔

ننھّی لڑکی
ساحل کے اتنے نزدیک
ریت سے اپنا گھر نہ بنا
کوئی سرکش موج اِدھر آئی، تو
تیرے گھر کی بنیادیں تک بہہ جائیں گی
اور پھر اُن کی یاد میں تو
ساری عُمر اُداس رہے گی!

(ماخوذ از : خوشبو)

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) پروین شاکر کی اس مختصر آزاد نظم میں کیا پیغام پوشیدہ ہے ؟
(ب) کیا آپ کے نزدیک اس نظم میں ایک باقاعدہ خیال ظاہر کیا گیا ہے ؟
(ج) آپ نے اگر ایسی کوئی دوسری آزاد نظم سنی یا پڑھی ہے تو اس پر تبصرہ کیجیے۔

سرگرمی

- طلبہ بھی اس طرح کی کوئی آزاد نظم لکھنے کی کوشش کریں گے۔

برائے اساتذہ

- معلّم/معلّمہ طلبہ سے گفتگو کرکے ان کا ذہن کھولیے اور اسی طرح کی آزاد نظم ان سے کہلوائیے۔

خواجہ میر دردؔ

- پیدائش : ۱۷۲۰ء دہلی
- وفات : جنوری ۱۷۸۵ء دہلی
- تصانیف : نالۂ درد، آہِ سرد، شمعِ محفل، واقعاتِ درد، دیوانِ دردؔ (اردو)، دیوانِ درد (فارسی)

غزلیات

حاصلاتِ تعلّم یہ غزل پڑھ کر طلبہ : (۱)منظوم اصناف کے طرز بیان سے آگاہ ہوسکیں۔ (۲)کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔

غزل-۱

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقّا! کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

اس مسنَدِ عزّت پہ کہ تُو جلوہ نُما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقّل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برَہمَن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دَیر و حَرَم کا

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

مانندِ حباب آنکھ تو اے دردؔ کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

غزل-۲

ارض و سما کہاں تری وُسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے

وحدت میں تیرے حرف دُوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال! تجھے منھ دکھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا، اپنی راہ لے
اُس کا پیام دل کے سِوا کون لاسکے

غافل! خدا کی یاد پہ مت بُھول زِینہار
اپنے تئیں بُھلادے اگر تو بُھلا سکے

گو بحث کرکے بات بٹھائی بھی کیا حُصول
دل سے اُٹھا خلاف اگر تُو اُٹھا سکے

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا — حقّا! کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

(۲) مانندِ حباب آنکھ تو اے دردؔ کُھلی تھی	کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا
(۳) ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے	میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تُو سما سکے
(۴) قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے	اُس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

سوال نمبر۲ : میر دردؔ کی دونوں غزلوں کے مطلعوں میں قافیہ اور ردیف کی نشان دہی کیجیے۔

سوال نمبر۳ : میر دردؔ کی غزلوں کا موضوع کیا ہے ؟

سوال نمبر۴ : درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے:

زِینہار	مقدور	تعقُّل	حرفِ دوئی	اپنے تئیں

سوال نمبر۵ : ان غزلوں میں سے کوئی ایک ایک شعر اپنی پسند کا منتخب کیجیے اور پسند آنے کی وجہ بیان کیجیے۔

سوال نمبر۶ : پہلی غزل کے تیسرے شعر میں کون کون سی شعری صنعتیں موجود ہیں ؟

سوال نمبر۷ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) لفظ ”لوح و قلم“ سے مراد ہے:

(الف)بچوں کی تختی اور قلم

(ب)رسالہ لوح و قلم

(ج)لوہے کی پلیٹ اور پین

(د)اللہ تعالیٰ نے جس مقام پر انسانوں کی قسمتیں لکھی ہیں اور جن چیزوں پر لکھی ہیں

(۲) شیخ و برہمن سے مراد ہے:

(الف)دو ذاتیں　(ب)دو اشخاص　(ج)امیر اور غریب　(د)مسلم اور غیر مسلم

(۳) غزل میں ”مَسندِ عزّت“ کا مفہوم ہے:

(الف)عزت والی کرسی　(ب)عہدہ　(ج)اعلیٰ درجہ　(د)عرشِ الٰہی

(۴) لفظ ”قاصد“ کا مطلب ہے:

(الف)ارادہ کرنے والا　(ب)درمیانہ زندگی گزارنے والا

(ج)پیغام لے جانے والا　(د) ڈاکیا

(۵) اس غزل میں ”آنکھ کھلی تھی“ سے مراد ہے :

(الف)بیدار ہونا　(ب)ہوش میں آنا

(ج)مختصر سی زندگی ہونا　(د)بلبلے کی مانند آنکھ کی بناوٹ کا ہونا

سرگرمیاں

- طلبہ میر دردؔ کی اسی طرزِ بیان کی کوئی اور غزل ان کے دیوان سے منتخب کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

- غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے ہر شعر میں ایک مکمل مفہوم ادا ہوتا ہے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اسے مطلع کہتے ہیں۔ مطلعے کے سِوا باقی اشعار میں ہر دوسرے مصرعے میں قافیہ ہونا ضروری ہے۔ ردیف غزل کے لیے ضروری نہیں۔ غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ شاعر نے اس میں اپنا تخلص بھی نظم کیا ہو۔ غزل کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کیے جاسکتے ہیں۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو میر دردؔ کے حالاتِ زندگی سے آگاہ کیجیے اور ان کے شاعرانہ اسلوب کے بارے میں بتائیے۔

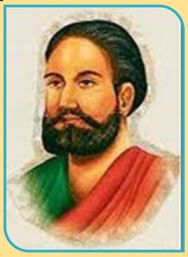

میر تقی میؔر

- پیدائش : مئی ۱۷۲۳ء آگرہ
- وفات : ستمبر ۱۸۱۰ء لکھنؤ
- تصانیف : چھے دیوان اردو، ایک دیوان فارسی، ذکرِ میر، نکات الشعراء (تذکرہ)

غزلیات

حاصلاتِ تعلُّم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ : (۱)محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔ (۲) کسی منظوم تحریر پر استحسانی گفتگو کرسکیں۔ (۳) غزل میں رموزواوقاف کا درست استعمال کرسکیں۔ (۳)درسی تحریر(غزل) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجے، رموز اوقاف، اعتماد، زیرو بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔

غزل - ۱

رہی نگفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

بہ رنگِ صوتِ جَرَس تجھ سے دُور ہوں تنہا
خبر نہیں ہے تجھے ، آہ کارواں میری

اُسی سے دُور رہا اصل مدّعا جو تھا
گئی یہ عمرِ عزیز آہ! رائگاں میری

ترے فِراق میں جیسے خیال مُفلِس کا
گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری

دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میؔر
پڑی جہان میں جاکر نظر جہاں میری

غزل - ۲

تھا مُستَعار حُسن سے اُس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرّہ ظہور تھا

مُنعم کے پاس قاقُم و سنجاب تھا تو کیا؟
اُس رِند کی بھی رات گزر گئی جو عُور تھا

ق

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یک سر وہ اُستخوان شکستوں سے چُور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر!
میں بھی کبھُو کِسُو کا سرِ پُرغُرور تھا

ق

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میؔر
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱)اُسی سے دور رہا اصل مدّعا جو تھا۔۔۔۔۔۔ گئی یہ عمرِ عزیز آہ ! رائگاں میری
(۲)دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میرؔ ۔۔۔۔۔۔ پڑی جہان میں جاکر نظر جہاں میری
(۳)تھا مُستعار حُسن سے اُس کے جو نور تھا۔۔۔۔۔۔ خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرّہ ظہور تھا
(۴)کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر ۔۔۔۔۔۔ میں بھی کبھُو کِسو کا سرِ پُر غرور تھا

سوال نمبر۲ : درج ذیل اشعار کے محاسن بتائیے:

(۱)مُنعِم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا ؟ ۔۔۔۔۔۔۔ اُس رند کی بھی رات کٹی جو کہ عُور تھا
(۲)ترے فراق میں جیسے خیال مُفلِس کا ۔۔۔۔۔۔۔ گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری

سوال نمبر۳ : درج ذیل اشعار میں مناسب جگہوں پر رموزِ اوقاف استعمال کیجیے:

(۱)بنگلے سبھوں نے ہر جا اُونچے چھوائے زر دے ۔۔۔۔ میوے مٹھائی انبہ انگور اور سردے
(۲)پکوان تازے تازے خاصے پلاؤ زر دے ۔۔۔۔ برسے ہے ابرِ باراں کھلوارہے ہیں پردے

سوال نمبر۴ : درج ذیل الفاظ و تراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

صوتِ جرس	فکرِ پریشاں	مستعار	عمرِ عزیز	کاسۂ سر

سوال نمبر۵ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) ”شکستوں“ سے مراد ہے:
(الف)ہارنا (ب)ٹوٹ پھوٹ
(ج)ٹھوکریں (د)نا اُمیدیاں

(۲) ”فکرِ پریشاں“ کا مطلب ہے:
(الف) بے چین نظر (ب) متلاشی نظر
(ج)پریشان فکر (د)دوست کی جدائی میں بے چین خیال

(۳) ”رشکِ حور“ کا مفہوم ہے:
(الف)حور کے لیے باعثِ رشک (ب)حور پر رشک کرنے والا
(ج)حور جس پر فدا ہو (د)حور جس پر رشک کرے

(۴) لفظ ”استخوان“ کا مطلب ہے:
(الف)دسترخوان (ب)آہنی ٹوپی (ج)خوان چہ (د)ڈھانچا

سرگرمیاں

- طلبہ ان غزلوں کے پسندیدہ شعروں کو زبانی یاد کریں گے اور کسی تقریر کے دوران حسبِ موقع پیش کرنے کی مشق کریں گے۔
- طلبہ جماعت کے ساتھیوں کو دو گروپوں میں تقسیم کریں گے۔ ہر گروپ ایک ایک غزل کو اوصافِ بلند خوانی کے مطابق پڑھے گا۔ (ضرورت پڑنے پر استاد/استانی رہ نمائی کریں گے)
- طلبہ دو گروپ بنائیں گے اور بیت بازی کا مقابلہ کریں گے جس میں مستند اور معیاری شعر، صحتِ تلفظ، مناسب لب ولہجے، اعتماد اور مصرعوں / لفظوں کے اتار چڑھاؤ کا خیال رکھیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی، ضرورت کے مطابق مناسب رہ نمائی اور مشقی سوالات کے جوابات دینے میں ضروری معاونت کیجیے۔ نیز اشعار میں جو جو شعری محاسن آئے ہیں وہ طلبہ کو بتائیے۔

خواجہ حیدر علی آتشؔ

- پیدائش: ۱۷۷۸ء فیض آباد
- وفات: ۱۸۴۸ء لکھنؤ
- تصانیف: کلیاتِ آتش

غزلیات

حاصلاتِ تعلّم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) نسبتہً طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲) نسبتہً طویل کلام سُن کر اپنے لفظوں میں بیان کرسکیں۔ (۳) غزل میں رموزِ اوقاف کا درست استعمال کرسکیں۔ (۴) حسنِ تعلیل کی تعریف کرسکیں۔

غزل - ۱

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا ؟
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا ؟

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گُل سو زر بہ کف
قاروں نے راستے میں لُٹایا خزانہ کیا ؟

اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر
مہمیز کہتے ہیں کسے تازیانہ کیا!

طبل و عَلَم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا!

آتی ہے کس طرح سے مرے قبضِ روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈرہی ہے بہانہ کیا!

یوں مدّعی حسد سے نہ دے داد، تو نہ دے
آتشؔ غزل یہ تُو نے کہی عاشقانہ کیا!

غزل - ۲

چمن میں رہنے دے کون آشیاں، نہیں معلوم
نہال کس کو کرے باغ باں، نہیں معلوم

اخیر ہوگئے غفلت میں دن جوانی کے
بہارِ عمر ہوئی کب خزاں، نہیں معلوم

سُپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق
اُٹھائے کون یہ بارِ گراں، نہیں معلوم

کُھلی ہے خانۂ صیّاد میں ہماری آنکھ
قفس کو جانتے ہیں، آشیاں نہیں معلوم

چُھٹیں گے زیست کے پھندے سے کس دن اے آتشؔ
جنازہ ہوگا کب اپنا رواں نہیں معلوم

مشق

سوال نمبرا: درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(ا)اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عمر ـــــ مہمیز کہتے ہیں کسے اور تازیانہ کیا؟
(۲)سپرد کس کے مرے بعد ہو امانتِ عشق ـــــ اُٹھائے کون یہ بارِ گراں، نہیں معلوم

سوال نمبر۲: درج ذیل اشعار کے محاسن کلام بتائیے:

(ا)زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بہ کف ـــــ قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا
(۲)چمن میں رہنے دے کون آشیاں، نہیں معلوم ـــــ نہال کس کو کرے باغ باں، نہیں معلوم

سوال نمبر۳: درج ذیل اشعار میں مناسب جگہوں پر رموزِ اوقاف استعمال کیجیے:

(ا)پھر کوئی آیا دل زار نہیں کوئی نہیں ـــــ راہ رو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
(۲)ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار ـــــ لڑکھڑانے لگے ایوانوں سے خوابیدہ چراغ

سوال نمبر۴: درج ذیل الفاظ و تراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

طبل و علم	نہال	صیّاد	خلقِ خدا	اسپِ عمر	مدّعی

سوال نمبر۵: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(ا) لفظ ”مہمیز“ کے معنی ہیں:
(الف)بڑی میز (ب)مہمانوں کا کمرہ
(ج)جس لفظ پر ہمزہ ہو (د)سوار کے ایڑی میں لگی لوہے کی کیل

(۲) ”خانۂ صیّاد“ کہتے ہیں:
(الف)شکاری کے گھر کو (ب)قید خانے کو
(ج)دھوکے باز کو (د)تباہی کا گھر

(۳) ”طبل و علم پاس ہونے“ سے مراد ہے:
(الف)جنگ کے لیے تیار ہونا (ب)صاحبِ اقتدار ہونا
(ج)طاقت ور ہونا (د)ہتھیار موجود ہونا

(۴) آتش کی پہلی غزل کی ردیف ہے:
(الف)فسانہ (ب)کیا (ج)غائبانہ (د)سُن

(۵)دوسری غزل کی ردیف ہے:
(الف)کیا معلوم (ب)خُدا معلوم (ج)نہیں معلوم (د)نامعلوم

سرگرمیاں

- طلبہ دو گروپوں میں تقسیم ہوجائیں گے۔ ایک گروپ کسی اخبار یا رسالے کی کوئی نظم یا غزل منتخب کرکےسنائے گا۔ دوسرا گروپ اس نظم یا غزل کو اپنے لفظوں میں بتائے گا۔ پھر دوسرا گروپ پہلے گروپ کو غزل سنائے گا اور پہلا گروپ اس غزل یا نظم کو اپنے لفظوں میں بیان کرے گا۔
- طلبہ ان غزلوں کو گروپ کی صورت میں ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں کی حسب سابق نگرانی، ضروری اصلاح اور مشقی سوالات حل کرنے میں مدد کیجیے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

- پیدائش : دسمبر ۱۷۹۷ء آگرہ
- وفات : فروری ۱۸۶۹ء دہلی
- خطابات : نجم الدّولہ، دبیر الملک، نظام جنگ
- عرفیت : مرزا نوشہ
- تصانیف : عودِ ہندی، اردوے معلّٰی اور پنج آہنگ (خطوط)، مہرِ نیم روز (تاریخ)، لطائفِ غیبی، قاطعِ بُرہان (لغات)، دیوان

غزلیات

حاصلاتِ تعلّم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ : (۱)سُن کر نسبتہً طویل کلام کے اہم نکات، جملے، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲)منظوم اصناف کے طرزِ بیان سے آگاہ ہوسکیں۔ (۳)کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔

غزل - ۱

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ؟
آخر اِس درد کی دوا کیا ہے ؟

میں بھی مُنھ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے ؟

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ؟
ابر کیا چیز ہے ؟ ہوا کیا ہے ؟

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی صدا کیا ہے ؟

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے ؟

غزل - ۲

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

دَیر نہیں، حَرَم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں

جب وہ جمالِ دل فروز، صورتِ مہرِ نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منھ چھپائے کیوں

قیدِحیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی ، غم سے نجات پائے کیوں

غالبؔ خستہ کے بغیر ، کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا ، کیجیے ہائے ہائے کیوں

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱)دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ۔۔۔ آخر اِس درد کی دوا کیا ہے ؟

(۲)قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں ۔۔۔ موت سے پہلے آدمی، غم سے نجات پائے کیوں

سوال نمبر۲ : غالؔب کا کلام کیا کہلاتا ہے ؟ اور یہ کس نوعیت کا ہے ؟

سوال نمبر۳ : درج ذیل الفاظ و تراکیب کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

سبزہ و گل	مُدّعا	جمالِ دل فروز	مہرِ نیم روز	نظارہ سوز

سوال نمبر۴ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) "سنگ وخشت" کے معنی ہیں:

(الف) ساتھ ساتھ (ب)اینٹ پتھر (ج)سینگ (د)دیوانہ

(۲) لفظ "دَیر" کے معنی ہیں:

(الف) تاخیر (ب)شمالی علاقے کا شہر (ج)غیر اسلامی عبادت گاہ (د)گھر

(۳) "مہرِ نیم روز" کا مطلب ہے:

(الف)آدھے دن کا روزہ (ب)آدھی مہربانی

(ج)بیوی کی آدھی مہر (د)ٹھیک آدھے دن کا سورج

(۴) غالب کی غزل - ۲ میں "خستہ" سے مراد ہے:

(الف)کرارا (ب)ٹوٹا ہوا (ج)زخمی (د)مفلس

(۵) محاورہ "مُنھ میں زبان رکھنا" سے مراد ہے:

(الف)منھ میں جیبھ (گوشت کا عضو) کا ہونا (ب)بولی جانا

(ج)وعدہ کرنا (د)بات کرنے کی جرأت کرنا

سرگرمیاں

- طلبہ گروپوں کی شکل میں تقسیم ہوجائیں گے۔ ہر گروپ کو الگ الگ شعری فن پارے کی اصطلاح دی جائے گی یعنی کسی کو مسدس، کسی کو مرثیہ وغیرہ۔ اب ہر گروپ اردو کی درسی کتابوں سے، یا رسالوں سے یا اخبارات سے دی گئی اصطلاحات کا مواد جمع کرے گا اور ایک ہفتے بعد کمرۂ جماعت میں پیش کرے گا۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کو مختلف اصنافِ سخن کے طرزِ بیان کا فرق سمجھائیے۔

داغؔ دہلوی

- پیدائش : ۱۸۳۱ء دہلی
- وفات : ۱۹۰۵ء حیدرآباد دکن
- تصانیف : گل زارِ داغؔ، آفتابِ داغؔ، مہتابِ داغ، یادگارِ داغؔ

غزل

حاصلاتِ تعلُّم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ :(۱)سُن کر نسبتہً طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔
(۲)نسبتہً طویل کلام سُن کر اپنے لفظوں میں بیان کرسکیں۔ (۳)بیت بازی کی محفل میں مستند اور معیاری شعر پڑھ سکیں۔
(۴)استعارے کی تعریف کرسکیں۔

اب دل ہے مقام بے کسی کا
یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا

اتنی ہی تو بس کَسَر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا

جو دم ہے وہ ہے بسا غنیمت
سارا سودا ہے جیتے جی کا

آغاز کو کون پوچھتا ہے
انجام اچھّا ہو آدمی کا

ایسے سے جو داغؔ نے نباہی
سچ ہے کہ یہ کام تھا اُسی کا

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱)اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں ـــــ کہنا نہیں مانتے کسی کا
(۲)آغاز کو کون پوچھتا ہے ـــــ انجام اچھا ہو آدمی کا

سوال نمبر۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم واضح کیجیے:

سودا	نباہی	کسر ہونا	بسا غنیمت	بے کسی

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) الفاظ آغاز اور انجام میں صنعت ہے:
(الف)مبالغہ (ب)تشبیہ (ج)تضاد (د)تعلیل

(۲) الفاظ "عیش، خوشی" میں صنعت ہے:
(الف)تضاد (ب) تعلیل (ج)مبالغہ (د)رعایتِ لفظی

(۳) الفاظ "اتنی ہی" اور "بسا غنیمت" میں صنعت ہے:
(الف)مبالغہ (ب)رعایت لفظی (ج) تعلیل (د)تضاد

(۴) الفاظ "بے کسی اور تباہ" میں صنعت ہے:
(الف)تشبیہ (ب)استعارہ (ج)رعایتِ لفظی (د)مبالغہ

(۵) اس غزل میں لفظ "دَم" کے معنی ہیں:
(الف) سانس (ب)پھونک (ج)نُسخہ (د)وقت

استعارہ:

(الف) آئے نکل کے ابنِ علیؓ شیر کی طرح (تشبیہ)
(ب) کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے (استعارہ)
(ج) "میرے چاند سے بیٹے ادھر آ۔" (تشبیہ)
(د) "میرے چاند ادھر آ۔" (استعارہ)

مذکورہ مثال (الف) میں امام حسینؓ کو شیر جیسا کہا گیا ہے لیکن جزو (ب) میں صرف شیر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جب کہ شیر سے مُراد حضرت امام حسینؓ ہی ہیں۔
مثال (ج) میں ایک ماں اپنے بچّے کو جیسا کہہ رہی ہے مگر جزو (د) میں ماں اُسی بچّے کو شیر کہہ کر مخاطب کررہی ہے۔
"استعارہ" کے لفظی معنی اُدھار یعنی مُستعار لینے کے ہیں۔ اگر کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اُس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اُسے استعارہ کہیں گے۔ جیسے امثالِ بالا میں شیر اور چاند استعارے ہیں۔

ارکانِ استعارہ: مُستعار منہٗ : وہ شخص یا چیز جس سے کوئی لفظ یا خوبی اُدھار لی جائے۔ (درج بالا مثالوں میں شیر۔چاند)
مُستعار لہٗ : وہ شخص یا چیز جس کے لیے کوئی لفظ یا خوبی اُدھار لی جائے۔ (درج بالا مثالوں میں امام حسینؓ۔بچّہ)
وجہِ استعارہ: مُستعار منہٗ اور مُستعار لہٗ میں موجود مشترک خوبی۔ (درج بالا مثالوں میں بہادری۔خوب صورتی)

سوال نمبر۴ : درج ذیل مصرعوں میں استعارہ اور ارکانِ استعارہ تلاش کیجیے:

(الف)اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی (ب)اِس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری

سوال نمبر۵ : تشبیہ اور استعارے کا باہمی فرق بتائیے۔

سرگرمیاں

- طلبہ گروپوں کی شکل میں تقسیم ہوں گے پھر ہر گروپ دوسرے گروپ کو کلامِ داغ سنائے گا اور وہ گروپ نسبتاً طویل کلام سن کر اپنے لفظوں میں بیان کریں گے۔
- طلبہ دو گروپ بناکر بیت بازی کی محفل منعقد کریں گے۔ جس میں مستند اور معیاری شعر پڑھیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں اور مشقی سوالات حل کرنے میں اُن کی رہ نمائی کیجیے۔

حسؔرت موہانی (سیّد فضل الحسن)

- **پیدائش :** ۱۸۷۵ء موہان (ہندوستان)
- **وفات :** ۱۹۵۱ء لکھنؤ
- **تصانیف :** کلیاتِ حسرت موہانی، نکاتِ سخن

غزل

حاصلاتِ تعلّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (ا) سُن کر نسبتہً طویل کلام کے اہم نکات، جملے، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲) درسی تحریر (نظم) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، لب و لہجے، رموز و اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔ (۳) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔ مثلاً: مسدس، مخمس، مرثیہ وغیرہ کی شناخت

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بے دلیِ ہم رہاں سے ہم

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم

مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہِ ناز
تنگ آگئے ہیں کش مکشِ امتحاں سے ہم

ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق
پھر آگئے وہیں پہ، چلے تھے جہاں سے ہم

حسؔرت پھر اور جا کے کریں کس کی بندگی
اچھا، جو سر اُٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(ا) معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا ـــ اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم
(۲) ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق ـــ پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

سوال نمبر۲: درج ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم واضح کیجیے:

یاس	بے دلِی ہم رہاں	کش مکش	زرراہِ ناز	سر اُٹھانا	تنگ آنا

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) لفظ ”سر اٹھانا“ ہے:

(الف)فعل (ب)محاورہ (ج)روزمرہ (د)مصدر

(۲) ”ہے انتہاے یاس بھی اک ابتداے شوق“ اس مصرعے میں صنعت ہے:

(الف)مبالغہ (ب)تضاد (ج)تشبیہ (د)تلمیح

(۳) ”حسرت پھر اور جاکے کریں کس کی بندگی“ یہ مصرع ہے:

(الف)مطلعے کا (ب)مقطعے کا (ج)شعر کا (د)رباعی کا

(۴) ”اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم“ اس مصرعے میں رمزِ وقف ہے:

(الف)سکتہ (ب)ختمہ (ج)ندائیہ (د)استفہامیہ

(۵) اس غزل کے مقطعے میں لفظ ”اور“ سے مراد ہے:

(الف)مزید (ب)اس کے علاوہ (ج)طرف (د)دوسرا

سرگرمیاں

- طلبہ گروپ بنائیں گے اور اس غزل کے شعر ایک دوسرے کو پڑھ کر سنائیں گےاور جو طالب علم کوئی مصرع یا شعر یاد کرلے گا وہ گروپ والوں کو سنائے گا۔
- طلبہ گروپوں میں صنفِ غزل کی فنی اصطلاحات پر تبادلۂ خیالات کریں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں کی نگرانی کیجیے اور فنّی اصطلاحات کے تعین میں ان کی مدد کیجیے۔

مؔنیر نیازی (منیر احمد)

- پیدائش : ۱۹۲۷ء ہوشیار پور (ہندوستان)
- وفات : دسمبر ۲۰۰۶ء لاہور
- تصانیف : بے وفا کا شہر، تیز ہوا اور تنہا پھول، جنگل میں دھنک، ماہِ منیر، چھے رنگین دروازے۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم یہ غزل پڑھ کر طلبہ : (ا)سُن کر نسبتہً طویل کلام کے اہم نکات، مصرعے یا شعر یاد رکھ سکیں۔ (۲)منظوم اصناف کے طرز بیان سے آگاہ ہوسکیں۔ (۳)کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کر سکیں۔

سُن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں
ان اُمّتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گئیں

صَرصَر کی زد میں آئے ہوئے بام و در کو دیکھ
کیسی ہوائیں! کیسا نگر! سرد کر گئیں!

کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھُلے
کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں!

تنہا اُجاڑ برجوں میں پھرتا ہے تو مؔنیر
وہ زرفشانیاں ترے رُخ کی کدھر گئیں!

احمد فرآز (سید احمد شاہ)

- پیدائش : ۱۹۳۱ء کوہاٹ
- وفات : ۲۰۰۸ء اسلام آباد
- تصانیف : جاناں جاناں، تنہا تنہا، درد آشوب، شب خون، خوابِ گل پریشاں ہے، میرے خواب ریزہ ریزہ، غزل بہانہ کروں۔

غزل

حاصلاتِ تعلُّم یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (ا)کسی منظوم تحریر پر استحسانی گفتگو کرسکیں۔(۲)منظوم اصناف کے طرزِ بیان سے آگاہ ہوسکیں۔ (۳)کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔

دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھانے والا
وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا

اب اسے لوگ سمجھتے ہیں گرفتار مرا
سخت نادم ہے مجھے دام میں لانے والا

کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے، اس سے
وہ جو اک شخص ہے منھ پھیر کے جانے والا

میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو جلتے
ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا ؟

تم تکلّف کو بھی اِخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ مِلانے والا

مشق

سوال نمبرا : درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(ا)سن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں ۔۔۔۔ ان امتوں کا ذکر جو رستوں میں مرگئیں
(۲) کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے ۔۔۔۔ کیسی دعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں

(۳)میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو جلتے ۔۔۔۔ ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا
(۴)تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فرازؔ ۔۔۔۔ دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

سوال نمبر۲: درج ذیل الفاظ و محاورات کے مفہوم کی وضاحت کیجیے:

بُرج	زد میں آنا	زرفشانی	دام میں لانا	منھ پھیر کے جانا

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) صَرصَر ایک ہوا ہے جو چلتی ہے:
(الف)جنگل میں (ب)سمندر پر (ج)صحراؤں میں (د)دریاؤں میں

(۲) لفظ "بہار اور چمن" ایک دوسرے کے ہیں:
(الف)مترادف (ب)مخالف (ج)متبادل (د)رعایتِ لفظی

(۳) تکلف، اخلاص، دوست۔ ان لفظوں کے لیے یہ صنعت ہوتی ہے:
(الف)تضاد (ب)رعایت لفظی (ج)مبالغہ (د)تلمیح

(۴) منیر نیازی کی غزل میں قافیے کے طور پر استعمال ہوا ہے:
(الف)گئیں (ب)منیر (ج)کر (د)صَرصَر

(۵) منیر نیازی کی غزل کے مطلعے میں لفظ استعمال ہوا ہے:
(الف)ذکر (ب)صَرصَر (ج)نگر (د)زر

سرگرمیاں

- طلبہ گروپوں کی شکل میں تقسیم ہو کر یہ دونوں غزلیں زیر بحث لائیں گے اور ان میں خوبیاں تلاش کرکے جماعت میں پیش کریں گے۔
- طلبہ لائبریری یا اخبارات سے مختلف ہیئت کی نظمیں یا غزلیں لکھ کر لائیں گے اور معلّم/معلّمہ کو دکھائیں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی سرگرمیوں میں ان کی رہ نمائی کیجیے اور مختلف شعری فن پاروں کی اصطلاحات کا تعارف کرائیے۔

قابلؔ اجمیری (عبدالرّحیم)

- پیدائش : ۱۹۳۱ء اجمیر شریف
- وفات : ۱۹۶۲ء حیدرآباد، سندھ
- تصانیف : دیدۂ بیدار، خونِ رگِ جاں، کلیاتِ قابل۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم

یہ غزل پڑھ کر طلبہ : (۱) شعر سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔
(۲) درسی تحریر (غزل) کو اوصافِ بلند خوانی (صحتِ تلفظ، درست لب و لہجے، رموزِ اوقاف، اعتماد، زیر و بم) کے لحاظ سے پڑھ سکیں۔
(۳) تخلیقی سطح کی کوئی تحریر (غزل، نظم وغیرہ) کا مناسب انتخاب کرکے پیش کرسکیں۔

عشرتِ زیست کہاں غم کے ہنر ہونے تک
پھول بھی ہنس نہ سکے چاک جگر ہونے تک

رات کٹ جائے گی چھا جائے گا زنداں پہ سکوت
شورِ زنجیر ہے دیوار میں در ہونے تک

ظلمت و نور میں تفریق ابھی مشکل ہے
رات، سو رنگ بدلتی ہے سَحر ہونے تک

سورج اُبھرے گا تو چھَٹ جائیں گے راہوں کے غُبار
منزلیں گم ہیں مگر گرمِ سفر ہونے تک

منزلِ شب میں یہی رختِ سفر ہے قابلؔ
درد کی خیر مناتا ہوں سَحر ہونے تک

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

(۱) ظلمت و نور میں تفریق ابھی مشکل ہے ــــ رات سو رنگ بدلتی ہے سحر ہونے تک
(۲) عشرتِ زیست کہاں غم کے ہنر ہونے تک ــــ پھول بھی ہنس نہ سکے چاک جگر ہونے تک

سوال نمبر۲: درج ذیل الفاظ و محاورات کا مفہوم واضح کیجیے:

رختِ سفر	عشرتِ زیست	رات کٹ جانا	چاک جگر ہونا	گرم سفر ہونا

سوال نمبر۳: دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) ”رات کٹ جانا، سکوت، شورِ زنجیر، دیوار، در، زندان“ اِن لفظوں میں صنعت پائی جاتی ہے:
(الف)صنعتِ تضاد (ب)مراعات النظیر (ج)تعلیل (د)مبالغہ

(۲) عشرتِ زیست سے مراد ہے:
(الف)غم زدہ حیات (ب)عیش والی حیات (ج)ابدی حیات (د)آبِ حیات

(۳) شاعر نے غزل میں تعریف کی ہے:
(الف)ظلمت و نور سے (ب)رنگ و بُو سے (ج)نورِ سحر سے (د)چاند و سورج سے

(۴) غزل کے آخر میں ہوتا ہے:
(الف)مطلع (ب)مقطع (ج)تخلص (د)ردیف

(۵) کٹ جائے گی:
(الف)صبح (ب)شام (ج)رات (د)سحر

سرگرمیاں

- طلبہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہوکر اسکول لائبریری، اخبارات، رسالوں یا درسی کتابوں سے تخلیقی سطح کی کوئی غزل یا نظم منتخب کرکے جماعت میں پیش کریں گے۔
- طلبہ اوصافِ بلند خوانی کو پیشِ نظر رکھ کر غزل پڑھنے کا مقابلہ کریں گے۔

برائے اساتذہ

- طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق رہ نمائی کیجیے۔ نئی صنعتوں کی خاص طور پر تفہیم ضروری ہے۔
اس کام کے لیے جماعت میں پڑھانے سے قبل خود مطالعہ کیجیے اور تخلیقی تحریر (غزل) کا انتخاب کرکے طلبہ کو دکھائیے اور سمجھائیے۔

پروفیسر آفاق صدیقی

پیدائش : ۱۹۲۸ء فرّخ آباد (ہندوستان)

وفات : ۲۰۱۲ء کراچی

تصانیف : سندھی ادب کے اُردو تراجم، ریگ زار کے موتی، پیامِ لطیف، شاہ لطیف اور عصرِ حاضر عکسِ لطیف، ریزۂ جاں، قلب سراپا

پیامِ لطیفؒ (اردو ترجمہ)

حاصلاتِ تعلُّم

یہ نظم پڑھ کر طلبہ : (۱) شعر سُن کر محظوظ ہوسکیں اور اس کے محاسن کی تفہیم کرسکیں۔
(۲) کسی شعری فن پارے کی اصطلاحات کی شناخت کرسکیں۔مثلاً: مُربّع، مخمّس وغیرہ

اوّل نام اللہ کا اعلیٰ اور علیم
قادر اپنی قدرت سے، قائم اور قدیم
والی، واحد، وحدہٗ، رازق، رب، رحیم
بڑھ کر ہے، حمد سے اس کی حمد حکیم
ہے سارے سنسار کا مالک وہی کریم

اگر اللہ پر رکھتے ہو ایمان
رسول پاک سے بھی لَو لگاؤ
سمائے جس میں دونوں ہی کا سودا
کسی در پر نہ اس سر کو جھکاؤ

جنھوں نے دل سے اُس یکتا کو مانا
محمدؐ کو بہ صد اِخلاص جانا
کبھی بھٹکیں نہ سیدھی راہ سے وہ
جنھیں حاصل ہوا سچّا ٹھکانا

جس کی فطرت میں ہو تن آسانی
جس کی آرام سے گزرتی ہے
کیا خبر اس کو، خستہ حالی پر
بے کسی کتنے وار کرتی ہے

مشق

سوال نمبر۱ : درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(۱) اس نظم میں شاعر نے اللہ پاک کی کیا کیا صفات بیان کی ہیں ؟
(۲) حضرت مُحمَّدٌرَّسُولُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے "لَولگانے" سے کیا مراد ہے ؟
(۳) "نفس کی پیروی" سے کیا مراد ہے اور اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے ؟ تفصیلاً بیان کیجیے۔
(۴) دنیا میں کسے سچا ٹھکانا ملتا ہے ؟
(۵) آرام پرستی کے کیا کیا نقصانات ہیں ؟ واضح کیجیے۔

سوال نمبر۲ : درج ذیل الفاظ و تراکیب کا مفہوم واضح کیجیے:

قائم و دائم	اخلاص	تن آسانی	خستہ حالی	پیروی

سوال نمبر۳ : اس منظوم ترجمے میں سے محاورے تلاش کرکے تحریر کیجیے۔

سوال نمبر۴ : دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(۱) "اوّل نام ہے:
(الف)حدیث کا (ب)قرآن کا (ج)اللہ کا (د)نماز کا

(۲) بھٹکے ہوئے کو دکھانا چاہیے:
(الف)سیدھا رستہ (ب)واضح نقشہ (ج)ٹی وی پر منظر (د)گھر کا پتا

(۳) بے کسی کرتی ہے:
(الف)کم زور (ب)بیمار (ج)حملہ (د)بے بس

(۴) "پیامِ لطیفؒ" پیغام ہے:
(الف)حضرت شاہ عبداللّطیف بھٹائیؒ کا (ب)حضرت سچل سرمستؒ کا
(ج) بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا (د)حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا

(۵) شاہ عبداللّطیف بھٹائیؒ کی شاعری کا انداز ہے:
(الف)اصلاحی (ب)عوامی (ج)سیاسی (د)نعتیہ

سرگرمیاں

- طلبہ اس نظم کا اصل سندھی متن تلاش کریں گے اور اُسے زبانی یاد کریں گے۔
- آفاق صدیقی کے علاوہ کس کس مترجم نے شاہ صاحبؒ کی منظومات کے ترجمے کیے ہیں ؟ طلبہ کسی دو مترجموں کے چار چار شعروں کے ترجمے تلاش کرکے اپنی ڈائری میں لکھیں گے اور کمرۂ جماعت میں ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

وائی خالصتاً سندھی زبان کی صنف ہے جس میں درد و سوز، کرب کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

برائے اساتذہ

- حضرت عبداللّطیف بھٹائیؒ کی اصل نظم تلاش کرنے میں طلبہ کی مدد کریں۔
- طلبہ کو صنفِ سخن وائی کے اہم نکات بتائیں۔ نیز ترجمے کے فنّی پہلوؤں سے بھی آگاہ کریں۔

فرہنگ

قومی اِتّفاق

حَبلُ المَتین : مضبوط رَسّی یعنی کلمۂ طیبہ۔
نیست و نابود : تباہ و برباد، معدوم۔
اَلعُروۃُ الوُثقیٰ : مضبوط گرفت یعنی اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنا۔
یک جہتی : اِتّفاق۔
بہ ایں ہمہ : اس سب کے ساتھ۔
فروعی مسائل : ضمنی، جزوی، غیر اہم یا معمولی مسائل۔
جمعیّت : اکٹھّا پن یعنی جماعت، گروہ۔
عداوت و نفاق : دشمنی اور نااتفاقی۔
یکتائی : وحدت۔
مُبدّل : تبدیل۔
مُقدّس : پاک۔
حیلے : بہانے۔
تکفیر : کافر کہنا۔
اَبنائے جنس : ایک ہی جنس کے یعنی ہم قوم۔
اِعتقاد : یقین یا عقیدہ۔
اَمر : کام۔
ضَرر : تکلیف۔
اِعانت : مدد۔
تمدّنی اُمور : مِل کے رہنے کی باتیں۔
ہم سائے : پڑوسی۔
جُزو : حِصّہ۔
ہم سایگی : پڑوس۔
تمدّن و معاشرت : آپس میں مِل جُل کر زندگی گزارنا۔
طبائع : طبیعت کی جمع ۔ عادتیں۔
تنازعات : جھگڑے
نَسیًا مَنسیاً : بالکل بُھولا بِسرا ۔ فراموش۔

زبانِ گویا

زبانِ گویا : کہنے/بولنے والی زبان۔
طوطیِ شیوا بیان : فصیح گفتگو کرنے والی زبان مُراد ہے۔
بُلبلِ ہزار داستان : خوش بیان یعنی زبان۔
قاصد : پیغام پہنچانے والا۔
سَاحر : جادو کرنے والا۔
فُسوں ساز : جادوگر۔
اَفعی : نہایت زہریلا سانپ۔
جاں گداز : جان گُھلانے والا۔ دل پر اثر کرنے والا۔
دارو : دوا۔
منتر : جادو۔
فِگار : زخمی۔
بِس کی گانٹھیں : زہر کی گُٹھلیاں۔
بول : قول ۔ سخن۔
حَنظَل : ایک نہایت بد ذائقہ پھل۔
تریاق : زہر کی دوا ۔ زہر کا توڑ۔
پارۂ گوشت : گوشت کا ٹکڑا۔
رائیگاں : بے کار۔
راستی : سچّائی۔
جوہر : ہنر، کمال، لیاقت۔
امین : امانت دار۔
ایلچی : قاصد۔
مَنصَب : مرتبہ۔
عالی : بُلند۔
کاشفِ اَسرار : بھید کھولنے والا۔
محرمِ راز : ہم راز۔

خزانۂ غیبی : چُھپا ہوا خزانہ۔
قُفل : تالا۔
کُنجی : چابی۔
تلقین و ارشاد : تعلیم و تربیت۔
ناصِحِ مشفق : مہربان نصیحت کرنے والا۔
صِفت : خوبی۔
غِیبت : پیٹھ پیچھے برائی۔
تُہمت : عیب/الزام۔
زبوں : خراب۔
زیاں : نقصان۔
شہدِ فائق : اچھا شہد ۔ خالص شہد۔
راست گفتار : سچ کہنے والا۔
فریبی : دھوکا دینے والا۔
مکّار : دھوکے باز۔
سخن ساز : باتیں بنانے والا۔
ریاکار : دِکھاوا کرنے والا۔
بد عہد : وعدہ خلاف۔
غمّاز : چُغل خور۔
مکرو اِفترا : دھوکا اور الزام تراشی۔
طَعن : طنز۔
تشنیع : بُرا بَھلا کہنا۔
دُشنام : بدکلامی۔
پھکّڑ : گالی گلوچ۔
ضلع جگت : ذومعنی بات/لطیفہ۔
پھبتی : طنزیہ فقرہ جو کسی پر چست کیا جائے۔
سزاوار : لائق۔
مُطلَقُ العنان : بے لگام۔
رُخصتِ گُفتار : گفتگو کی اجازت۔

فاقے میں روزہ

فاقہ : بے کھائے پیے ہونا ۔ بُھوکا ہونا۔
لونڈی : خادمہ۔
تیموریوں : امیر تیمور کی اولاد۔ مُغل بادشاہ مُراد ہیں۔

مغموم : غم زدہ۔
ندیم : دوست/ساتھی۔
خیر باشد : خیر تو ہے ؟
مُکدّر : غم گین۔
مُصاحِب : ساتھ رہنے والا۔
جمگھٹے : ہجوم ۔ بھیڑ بھاڑ۔
صلاح : مشورہ ۔ تجویز۔
مُراقبہ : خُدا کا دھیان۔
کُلُّ جدیدٌ لَذیذ : ہر نئی چیز مزے دار معلوم ہوتی ہے۔
مُکلّف : پُر تکلُّف۔
خوان پوش : تھال ڈھکنے کا کپڑا۔
مُقیشی : سونے چاندی کے تاروں کی بنی ہوئی۔
آرایش : سَجاوٹ۔
تاراج : برباد۔
غدر : بغاوت، مُراد ہے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی
کِرچ = ایک قسم کی لمبی تلوار
سنگین : ایک نوک دار ہتھیار جو بندوق پر چڑھایا جاتاہے۔
حکیمانہ توڑ جوڑ : دھوکا دہی اور سازش۔
آتش ناک : آگ سے بھری۔
حضور ظلِّ سبحانی : بادشاہ۔
جولاں گاہ : گھڑ دوڑ کا میدان۔
لَق و دَق : ویران۔
زارونزار : ناتواں۔
دِلاسہ : تسلّی۔
جَواہر نِگار : قیمتی پتھروں سے آراستہ۔
سرکشی : بَغاوت۔
بھادوں : ہندی چاند کا چھٹا مہینا (تقریباً نصف اگست سے نصف ستمبر تک)
لہو و لعب : کھیل کود۔

لوٹ پیٹ کر اچھے ہونا: بیمار ہو کر بغیر دوا کھائے اچھا ہو جانا
غرقاب : پانی کے اندر۔
چھپّر : پھُونس کا سائبان۔
بلّیوں : بَلّی کی جمع ۔ لکڑی کے ستون۔
کِھیل: وہ بُھنا ہوا اناج جو پھول گیا ہو (مثلاً چاول کے مرمرے)
مُتغیّر : بدلا ہوا۔
شیوہ : طریقہ۔

پٹرولیم کی کہانی

اَن مول : بے حد قیمتی۔
حَمل و نَقل : بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔
سَرِدَست : ابھی۔
جزیرۂ زانٹے : یونان کا ایک جزیرہ۔
صَقلیہٖ : اٹلی کا ایک جزیرہ جسے اطالوی میں سسلیہ اور عربی میں صقلیہ کہتے ہیں۔
قِیر : ایک کالا گوند۔
مُزَیَّن : سجائے ہوئے۔
رُسوبی : تہ سے نسبت رکھنے والی شے۔
چٹانیں : چٹان کی جمع ۔ بڑا اور چوڑا پتّھر۔
مَدو جَزر : اُتار چڑھاؤ۔
ہَل چَل : بے قراری۔
مَسام : مَسَم کی جمع۔ بہت باریک / مَہین سُوراخ۔
آتش فشانی : آگ جھاڑنا۔
سنگِ خارا : نیلے رنگ کا سخت پتّھر۔
اَرضیات : زمین کے طبقوں کا علم (جیولوجی)۔

کُچھ ذریعۂ تعلیم کے باب میں

تَصفِیَہ : فیصلہ۔
مادری زبان : ماں کی زبان۔
پدری زبان : باپ کی زبان۔
ثانوی : دوسری۔

اَربابِ بصیرت : باشعور لوگ۔
تحصیل : حاصل کرنا۔
عِظام : عظیم کی جمع۔
صوفیاے کرام : نیک پرہیزگار اور بڑے لوگ۔
عُلماے عِظام : علم رکھنے والے عظیم لوگ۔
اسالیب : اُسلوب کی جمع۔ تحریر کے انداز۔
آبیاری : پانی دینا۔
تَنَوُّع : قِسم قِسم کا ہونا۔
سایۂ عاطفت : مہربانی کا سایہ۔
ساقِط : گرا ہوا / مُسترد۔
اصطلاحات : اصطلاح کی جمع۔ مُرادی معنی۔
مَفرُوضہ : فرض، کیے ہوئے / کیا ہوا۔
مرہونِ منّت : احسان مند۔
مُقدّم : اہم تر۔

سندھی شاعری کے تراجم

لِسانی : زبان سے متعلق۔
عصری : زمانے سے نسبت رکھنے والے۔
تقاضوں : ضرورتوں۔
مُمِدّ : مدد کرنے والا۔
مُعاوِن : مددگار۔
مسوّدے : مُسوّدہ کی جمع۔ وہ ابتدائی تحریر جسے بعد میں صاف اور صحیح کرنے کی ضرورت ہو۔
گُر : راز۔
مُشترکات: ایسی باتیں جن میں شرکت ہو (مُشترک کی جمع)۔
سَرمایۂ کیف : سرور کی دولت۔
لَطِیفیات : شاہ عبداللّطیف بھٹائیؒ کے متعلق علم۔
مُعتَدبِہٖ : شمار کیا ہوا / قابلِ اعتماد۔
کَسبی : کوشش سے حاصل کردہ۔
مُستثنیات: مُستثنیٰ کی جمع۔ چُنے ہوئے / وہ چیزیں جنھیں علاحدہ کر دیا گیا ہو۔

چیزے دِگر : خاص چیز۔
اَبیات : بیت کی جمع۔ اشعار۔
دِل دَادَہ : عاشق۔
اِبلاغ : پہنچانے کا عمل۔
مُستَشرِقین : مُستَشرِق کی جمع۔ مغربی عالم یا محقق جن کو کسی مشرقی علم پر عبور ہو۔
دَست رَس : قدرت۔
ثقافت : تہذیب۔
ہم سَری : برابری۔
ہم راہی : ساتھ۔
فاضلانہ : عالمانہ۔
بیش تر : اکثر/زیادہ تر۔
تغزّل : غزل کی صورت میں۔ غزل کی خاص خوبیوں کے مجموعے کا نام ۔
خوش آئند : خوش گوار/بھلا معلوم ہونے والا۔
راقم الحروف : حرفوں کا لکھنے والا۔
ہمّت افزائی : حوصلہ بڑھانا۔
کَماحَقّہٗ : جیسا کہ اس کا حق ہے۔
کلاسکی : قدیمی/اعلیٰ درجے کا۔
وثوق : اعتماد۔

زیور کا ڈبّا

اُڑا لے جانا : چُرا لینا۔ غائب کر دینا۔
اقبال کرنا : قبول کرنا۔ اقرار کرنا۔ تسلیم کرنا۔
اُمنگ : جوش۔ کام یابی کی خوشی۔ بہت خوشی۔
اِیشوَر : خُدا (ہندوؤں کے خیال میں)
آراستہ : سجایا ہُوا۔
آزردہ : خفا۔ ناراض۔
آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی: نظر ایک مرکز پر نہیں رُکتی تھی۔
بزّاز : کپڑا بیچنے والا۔
بِساطی : گھر کی ضرورت کا سامان پھیری لگا کر بیچنے والا۔
بنیا : غلّے اور پرچون کی تجارت کرنے والا۔
بھگوان : خدا (ہندوؤں کے خیال میں)
پانی پھیر دیا : محنت برباد کر دی۔
پنڈتوں : نجومیوں۔ ہندو مذہب کے عالموں۔
پیش تر : پہلے۔
پھاڑ کھائے گا : ویران ہو جائے گا۔ ڈراؤنا محسوس ہو گا۔
چڑھاوا : دُلھن کو زیور پہنانے کی رسم۔
چُول: لکڑی کا وہ سرا جو دوسری لکڑی میں کٹاؤ کر کے داخل کیا جائے۔ وہ چھید جس میں دوسری لکڑی مِلائی جائے۔
چہرہ فق ہونا: خوف یا حیرت کی وجہ سے چہرے کا رنگ بدلنا۔
حیوانیت : حیوانی خصوصیات۔ جنگلی پن۔ درندگی
خستہ حال : پریشان حال۔ بدحال۔
خمیازہ اُٹھانا : سزا بُھگتنا۔ نقصان یا تکلیف برداشت کرنا۔
دبے پاؤں : آہستہ آہستہ۔ چُپکے چُپکے۔
دھرے رہ گئے : پڑے رہ گئے۔ کسی کام نہ آئے۔
سیندھ : دیوار میں چوری کے لیے سوراخ یا چھید۔
شیریں : میٹھا۔ خوش گوار۔
صلاح : مشورہ۔ رائے۔ تجویز۔
ضمانت : ذمّے داری۔
ضمیر : دل۔ قلب۔ دل میں موجود اچھائی اور بُرائی یا صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت۔
طرّار : تیز زبان۔ فرفر زبان چلانے والا۔
طشتری : چھوٹی رکابی یا پلیٹ۔
غیبی : چُھپا ہُوا۔ پوشیدہ
کارستانی : چالاکی۔ ہوش یاری۔ شرارت
کُند ذہن : کم عقل۔
کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا : رشک یا حسد محسوس ہُوا۔ رنج صدمہ یا افسوس ہُوا۔
گرانی : بوجھ۔ بدہضمی۔

گلا چُھڑانا : جان چُھڑانا۔
گل کِھلنا : عجیب یا انوکھی بات ظاہر ہونا۔ بھید کھلنا۔ شور مچنا۔ طوفان اُٹھنا۔
لحاظ : مروّت۔ شرم۔ خیال۔ احتیاط
مُطلق : بالکل۔ قطعی۔
مُعجزہ : وہ بات جس کے کرنے پر انسان قادر نہ ہو۔ وہ انوکھی بات جو نبی سے ظاہر ہو۔
ملامت آمیز الفاظ : ڈانٹ ڈپٹ والے کلمات۔
من کی مٹھائی : خیالی خوشی۔
موٹا کھانے، موٹا پہننے : گھٹیا اور ادنیٰ درجے کا کھانے اور پہننے۔
وَساطت : ذریعہ۔ واسطہ۔

بابا نور

بُجھی ہوئی آواز : ہلکی، دھیمی آواز۔
بھونرا : سیاہ رنگ کا ایک بڑا کیڑا۔
پگ ڈنڈی : جنگلوں یا کھیتوں وغیرہ میں تنگ کچا راستہ۔
جُتنا : بیل گاڑی یا گدھا گاڑی میں لگنا۔
چِٹّھی : خط۔
دستی : ہلکی پھلکی شے جو آسانی سے ہاتھ میں لی جاسکے۔
دم بہ خود : چُپ۔ خاموش۔
رنگ فق ہوگیا: پریشانی سے چہرے کی رنگت پھیکی پڑگئی۔
کُملانا : مُرجھانا۔ رونق نہ رہنا۔ سوکھنا۔ غم گین ہونا۔
گُھرکا : جھڑکا۔ ڈانٹا۔
محراب : کمان کی شکل کا خانہ یا طاقچہ۔
مداری : بازی گر۔ تماشا دکھانے والا۔
مُستفید کرنا : فائدہ پہنچانا۔
مینڈ : کھیت کی منڈیر یا کنارہ۔
نصیبہ : نصیب۔ قسمت۔ تقدیر۔

آبِ حیات

اَبدی : دائمی۔ ہمیشہ رہنے والی۔
اَطلس : ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔
اللہ توکّل : اللہ کے بھروسے پر۔
اَمَر : نہ مرنے والا۔ لازوال۔
آبِ حیات : وہ روایتی پانی جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُسے پینے سے انسان ہمیشہ کی زندگی حاصل کرلیتا ہے۔ آبِ بقا
بقا : باقی رہنا۔ ہمیشگی۔
بَین کرنا : مُردوں کی خوبیاں بیان کرکے رونا اور رُلانا۔
پچھتاوا : افسوس۔ ندامت۔
پڑاؤ ڈالنا : کسی جگہ قیام کرنا۔
تکّا بوٹی کرنا : ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔
چارہ : تدبیر۔
جتن : فکر۔ تدبیر۔ کوشش۔ بندوبست
جوگی : ہندوفقیر۔ پجاری۔ جادوگر
چھیلنا : کھال اُتارنا۔
حلال کیا : ذبح کیا۔
خُدا ترس : رحم دل۔
دائمی : ابدی۔ ہمیشہ رہنے والی۔
دھونی جگانا : آگ لگانا۔
ڈھیر ہوجانا : مرجانا۔
رات کے چار پہر: تین تین گھنٹے پر مُشتمل رات کے چار حصّے۔
زنبیلیں : ٹوکریاں۔ تھیلے۔
ساون بھادوں : برسات کا پہلا اور دوسرا مہینا۔
سٹپٹا گئے : گھبرا گئے۔ حیران ہوگئے
سچے موتی : اصلی موتی۔
سراسر : تمام۔ سر بہ سر۔
سُوئی کا ناکا : سُوئی کا چھید یا سُوراخ۔

شکوہ : شکایت۔ گلہ۔
طعنہ دینا : بُرا بھلا کہنا۔ ملامت کرنا۔ چھیڑنا۔
قطب تارا : ایک نہایت روشن تارا۔
کھوج لگانا : پتا لگانا۔ ٹھکانا معلوم کرنا۔ خبر لگانا۔
گرتے پڑتے : بڑی مُشکل سے۔ جوں توں کرکے۔
گوشت پوست : گوشت اور کھال۔
مچھلی کی کلیاں : مچھلی کے کلّے یا جبڑے۔
مرجان : چھوٹا موتی۔
مُصمّم ارادہ : پکّا ارادہ۔
منسوب کرنا : کسی سے نسبت دینا یا تعلق جوڑنا۔
ناگہانی : اچانک ہونے والی۔
وابستگی : تعلق۔ رشتہ۔
ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینا : بہت اندھیرا ہونا۔

میدانِ جنگ

اَجَل : موت۔ مرگ۔
پاش پاش : ٹکڑے ٹکڑے۔
پروردگار : پرورش کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ۔
پھولتی پھلتی : آباد۔ خوش حال۔
جلّاد : ظالم۔ بے درد۔ قاتل۔
چراغ بجھانا : نیست و نابود کرنا۔
خوں خوار : ظالم۔
دُہائی دے کر : قسم دے کر۔
سام : ایک ایرانی پہلوان۔ رستم کا دادا۔
سجدہ ہائے نیاز : وہ سجدے جن میں عاجزی اور محبت ہو یا کوئی حاجت اور خواہش ہو۔
شرم رکھنا : عزّت بچانا۔
کمر توڑنا : مایوس کرنا۔
گھات میں ہونا : موقع تاکنا۔ دشمن کو مارنے کے لیے چُھپ کر بیٹھنا۔

بھونک دینا : کوئی نوک دار چیز جسم میں گھُسانا۔ گھونپ دینا۔
لال : بیٹا۔ فرزند۔
نریمان : ایک ایرانی پہلوان۔ رستم کا پردادا۔
نیند ٹوٹ گئی : آنکھ کھُل گئی۔
مِنّت : عاجزی۔ خوشامد۔ التجا۔
موذی : زہریلا۔ ہلاک کرنے والا۔ ایذا دینے والا۔
مُہرہ : ایک قسم کا پتّھر۔

بیگم کی بلّی

بحال : خوش و خرّم۔ تروتازہ۔ تن درست۔
بہ خُدا : خُدا کی قسم۔
بھلی مانس : نیک۔ شریف۔ عزّت والی۔
پسیجنا : ترس کھانا۔ رحم کرنا۔
پھُکنی : پائپ کا ٹکڑا جس سے آگ پھونکتے ہیں۔ ہوا پھونکنے کا آلہ۔
تخمینہ : اندازہ۔
ٹکا سا جواب : صاف جواب۔ کورا جواب۔
ٹھکانے لگانا : مار ڈالنا۔ کام تمام کردینا۔
خام خیالی : وہم۔
دل بیٹھنا : دل میں خوشی اور اُمنگ نہ رہنا۔ افسردہ ہونا۔ ہمّت ٹوٹنا۔
دم مارنا : بات کرنا۔ جواب دینا۔ مُنھ سے اُف نکالنا۔ دخل دینا۔
راحت : آرام۔ چَین۔ سُکھ۔
رختِ سفر باندھنا : سفر کا سامان باندھنا یا تیار کرنا۔
سبز قدم : منحوس۔
سر پھرنا : شامت آنا۔ کم بختی آنا۔ عقل نہ رہنا۔
شغل : تماشا۔ دل لگی۔ کھیل کود۔
عدم کا راستہ : موت کا راستہ۔

قصّاب : حلال کرنے والا۔
قضا : موت۔
کام تمام کرنا : خاتمہ کرنا۔ ہلاک کرنا۔ جان لینا۔ مار ڈالنا۔
کوڑی : پیسا۔ پائی۔ (بہت معمولی رقم)
کھکھارنا : کھانسی کی سی آواز نکال کر کسی کو متوجّہ کرنا۔ کھانسی کے ذریعے اشارہ کرنا۔
مُبالغہ کرنا : اصل کے خلاف کہنا۔ بڑھا کر بیان کرنا۔
مجال : حوصلہ۔ طاقت۔
مسکین : بے چارہ۔ عاجز۔ غریب۔
مُسماۃ : مؤنث کی علامت۔
مشیتِ ایزدی : اللہ کا حکم۔ اللہ کی مرضی۔
مضطرب : پریشان۔ بے چین۔ بے آرام۔ بے قرار۔ بے کل
ناقص فہم : ادھوری عقل۔
نامعقول : نا سمجھ۔
نذر کرنا : پیش کرنا۔
ہرچہ بادا باد : جو ہو سو ہو۔
ہُوکیں اُٹھنا : درد ہونا۔ صدمہ ہونا۔

تھر کی نادیہ کماچی

اپاہج : جو شخص چل پھر نہ سکے۔
اُمڈ آنا : ہجوم کرنا۔
ایندھن : جلانے کی لکڑی یا کوئلے وغیرہ۔
بہ راہِ راست : بلا واسطہ۔ بغیر کسی ذریعے کے۔
براجمان ہیں : تشریف رکھتے ہیں۔
آہو : ہرن۔
بعد ازاں : اُس کے بعد۔
بے آب و گیاہ : وہ جگہ جہاں نہ پانی ہو نہ سبزہ۔
پھریرا : جھنڈے کا کپڑا۔
تعیُّن : تقرّر۔
چٹیل : وہ میدان جہاں کوئی سایہ دار درخت نہ ہو۔
حسبِ وعدہ : وعدے کے مطابق۔
حِصار : چار دیواری۔ احاطہ۔
خُنک : سرد۔ ٹھنڈی۔
سالار : سردار۔ کپتان۔
عجوبہ : عجیب شے۔ انوکھی چیز۔
کائیاں : چالاک۔ ہوش یار۔ دھوکے باز۔
کوہ نَوَرد : پہاڑوں میں گھومنے پھرنے والے۔
قلانچیں بھرنا : چھلانگیں مارنا۔ چوکڑیاں بھرنا۔
ماس : گوشت۔
مُترجِم : ترجمہ کرنے والا۔
ہزیمت : شکست۔ ہار۔ پس پائی۔

ملکہ بلقیس کا محل

آب دار : چمک دار۔
آگہی : آگاہی۔ خبر۔
باقیات : بچی ہوئی چیزیں۔ یادگاریں۔ آثارِ قدیمہ۔
بانکے : خوش نما۔ حَسین۔
بلقیس : حضرت سلیمان کے زمانے میں مُلک سبا کی ملکہ۔
پوشاک : لباس۔
جواہرات : جوہر کی جمع الجمع۔ قیمتی پتّھر۔
دُخترِ نزا جیل : نزا جیل کی بیٹی۔
زربفت : ایک کپڑا جو سونے اور ریشم کے تاروں سے بُنتے ہیں۔
زَمرُد : ہرے رنگ کا ایک قیمتی پتّھر۔
سبا : حضرت سلیمان کے زمانے میں عرب کا ایک مُلک۔
قصر : محل۔ حویلی۔
لعل : ایک قیمتی پتّھر۔
لوبان : ایک درخت سے حاصل ہونے والا گوند جو آگ پر رکھنے سے خوش بو دیتا ہے۔
محوِ خواب تھی : سوئی ہوئی تھی۔

مرصّع : جس میں قیمتی پتّھر جڑے ہوئے ہوں۔
مزیّن : سجا سجایا۔ سجایا ہُوا۔ سنوارا ہُوا۔ زینت دیا ہُوا۔
نشان دہی : پتا بتانا۔ ٹھکانا بتانا
ہُدہُد : ایک پرندہ جس کے سر پر تاج یا چوٹی ہوتی ہے۔
یاقوت : ایک قسم کا قیمتی پتّھر۔

خواہ مخواہ کی لڑائی

وجدان آتشیں : اندرونی اکساہٹ۔ لڑنے کی خواہش۔
لپّاڈگّی : تھپّڑ اور گھونسے ہاتھا پائی۔
دھینگا مشتی : ہاتھا پائی۔
سفید پوش : وضع دار۔
آپے سے باہر ہونا : قابو سے باہر ہونا۔ سنبھالے نہ سنبھلنا۔
آستین چڑھانا : لڑنے کے لیے تیار ہونا۔ لڑائی کے لیے کھڑے ہو جانا۔
ملمع : دکھاوا۔ بناوٹ۔ وضع داری۔
مارکین : دراز قسم کا امریکہ کا بنا ہو کپڑا۔
چمکارنا : دلاسا دینا۔ پیار کرنا۔
غم کھانا : برداشت کرنا۔ غصہ ضبط کرنا، در گزر کرنا۔
ریاض کرنا : مشق۔ ایک ہی عمل کو بار بار دہرانا تاکہ مہارت حاصل ہو۔
المکلف الخزمت : خدمت کی تکلیف اٹھانے والا۔ خدمت کرنے والا۔
آمد : بے ارادہ کچھ ہو جانا۔
آورد : ارادے کے تحت کچھ کرنا۔
چھپّر پھاڑ کر دینا : کثرت سے دینا۔ بے محنت عطا کرنا۔
داعی : دعوت دینے والا۔
ترکی بہ ترکی : برابر کا۔ جیسا سوال ویسا جواب۔
مبدءِ فیض : جہاں سے فیض ملتا ہو۔ فیض پہنچانے والا۔
گڑے مردے اکھیڑنا : ماضی کے جھگڑے تازہ کرنا۔ ختم ہو جانے والے تنازعے پھر سے اُٹھانا۔

مجبوریاں

مہار : اونٹ کی نکیل۔ وہ رسی جو نکیل میں بندھی ہوتی ہے۔
متنفر : بے زار۔ نفرت کرنے والا۔
حجامت کرانا : سر کے بال کٹوانا۔ ترشوا کر بال درست کرانا۔
دفعتہً : اچانک۔ فوراً۔
پینشن : رٹائرڈ ملازمین کو ملنے والی ماہانہ رقم۔
جنابِ من : میرے لیے قابلِ احترام۔

ایک انار صد بیمار

سر پھٹول ہونا : لڑائی میں ایک دوسرے کے سر پھاڑ دینا۔
مرہم پٹی کرنا : زخم پر دوا لگا کر پٹی باندھنا۔ علاج کرنا۔
ہفت صد : سات سو۔
اسمِ مکبر : نام، جس میں چھوٹے سے بڑا پن پایا جائے۔ جیسے : لاٹھی سے لٹھ۔
اتائی : طب کا علم حاصل کیے بغیر علاج کرنے والا۔
اناڑ : جسے نہ علم ہو نہ تجربہ۔
ہزار رنگ : کئی قسم کے۔
ایلوپیتھی : علاج بالضد کا طریقہ۔ مغربی طرز کا علاج جس میں مرض کے مزاج کے متضاد دوا دی جاتی ہے۔
ہومیوپیتھی : علاج بالمثل کا طریقہ۔
وید : حکیم، قدیم ہندوستانی طریقے سے علاج کرنے والا معالج۔
منجم : نجومی، ستاروں کا علم جاننے والا۔
جفار : علم جفر (غیب سے واقف ہونے کا علم) کا ماہر۔
ریل پیل : کثرت۔ بہتات۔
فارماکوپیا : دواؤں کی تیاری اور استعمال سے متعلق کتاب۔
جوشاندہ : جوش دی ہوئی دوا جو نزلے میں دی جاتی ہے۔
خیساندہ : وہ دوا جو بھگو کر پی جائے۔
سنیاسی بابا : فقیر جو عجیب سی چیزوں سے علاج کرتا ہے۔
فخر الاطبا : طبیبوں میں قابلِ فخر، بہت قابل طبیب۔

بیاض: وہ کتاب جس میں کام کی باتیں لکھ لیتے ہیں۔ ڈائری۔
صحتِ تام: مکمل صحت۔
گرہ میں باندھ لینا: یادداشت میں محفوظ کر لینا۔
حکمی علاج: قطعی علاج۔ ایسا علاج جس سے شفا لازمی ہو۔

خطِ غالب

مکتوبات: مکتوب کی جمع۔ خطوط۔ مکاتیب۔
دماغ چل جانا: سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جانا۔
عقل نہ رہنا۔
مُجتہدُالعصر: اپنے زمانے کا مُجتہد۔
مسوّدہ: لکھی ہوئی کتاب کی پہلی شکل کہ جس کی درستی ابھی باقی ہو۔
شاہی روش: بادشاہ کے دور کے انداز۔
برخوردار: چھوٹا۔ سعادت مند۔
ابرِ بے باراں: بادل جو برسات نہ کرے۔
میوہ: پھل۔
خانۂ بے چراغ: خالی مکان۔ جو آباد نہ ہو۔
چراغِ بے نور: بجھا ہوا چراغ۔
امر: کام۔ معاملہ۔
زوائد: زائد (زیادہ، فضول) کی جمع۔
چاہِ بے آب: اندھا کنواں۔ وہ کنواں جو سوکھ چکا ہو۔
خوش نودی: خوشی۔ رضامندی۔
نگارش: تحریر۔
پھاوڑا بجنا: مکان گرنا۔ ڈھینا
دمدمہ: مورچہ، مٹی بھری بوریوں سے بنائی ہوئی دیوار۔
نبڑنا: تمام ہونا۔ پورا ہونا۔

خطِ اقبال

آلام و افکار: فکریں اور پریشانیاں۔
موجب: وجہ۔
اسکول: سوچ، اندازِ فکر۔

بودا: کم زور
سُست: ڈھیلا
ضعیف چیتھڑا: بوسیدہ کپڑے کا ٹکڑا۔
اصولِ حقّہ: حقیقی اصول۔
مرورِ ایام و اعصار: زمانے کی تبدیلی۔ وقت کا بدلنا۔
اعصار: عصر (زمانہ، دور، وقت) کی جمع۔

خطِ مشفق خواجہ

مکرمی: میرے بزرگ۔ میرے لیے قابلِ احترام۔
ناسازیِ طبع: طبیعت کی خرابی۔
نواح: اردگرد کا علاقہ۔
آئینِ دوستی: دوستی کے اصول۔ دوستی کے طور طریقے۔
مخطوطات: ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں۔

حمد

وجدان: جاننے کی قوت۔
نکہت: خوش بو۔ مہک۔
آیاتِ الٰہی: صاف معنیٰ والی (اللہ کی) آیات۔
دانش: عقل مندی۔
خلّاق: غیر معمولی قدرت والا۔
گلبانگ: آواز - صدا۔
ہزار: بلبل۔
معراج: عروج پانے کا وقت۔

نعت

عُمرِ رواں: گزرتی ہوئی زندگی۔
منصب: عہدہ۔
نورالہدیٰ: ہدایت کا نور، تاریکیوں کا چراغ۔
بدرالدجیٰ: چودھویں کا چاند۔
شمس الضحیٰ: خوش نما سورج، مراد سورج کی طرح چمک دار
جلوہ گاہوں: نظارہ دکھانے کی جگہوں۔
پُر کیف: سُرور والی۔
خاکِ شفا: مُراد مدینہ منوّرہ کی مٹّی۔

رہے نام اللہ کا

مقدور : طاقت، قوت۔
زردار : دولت مند، امیر۔
بے زر : غریب، بغیر دولت والا۔
گردشِ ایام : مصیبت و ابتلا کا زمانہ۔
چرخ : آسمان۔
ازرق : نیلا۔
عیّار : چالاک، مکّار۔
حیلہ : چال، بہانہ۔
در و بام : دورازہ اور چھت۔
بادِ خزاں : وہ گرم ہوا جس کے چلنے سے پت جھڑ کا موسم آجاتا ہے۔

داستان تیاری میں باغ کی

زربفت : ایک کپڑا جو سونے اور ریشم کے تاروں سے بُنتے ہیں۔
شہ : بادشاہ۔ شاہ۔
زرنگار : وہ چیز جس پر سونے کا یا سنہرا کام ہو۔
مشام : دماغ۔
مدام : مسلسل، متواتر۔
مُغرّق : چمکیلی۔
لخلخہ : ایک خوش بو دار مرکب۔
مقیش : چاندی اور سونے کا تار۔
سروِ سہی : سرو کا سیدھا پیڑ۔
نگہ : نگاہ
دست بستہ : ہاتھ باندھے ہوئے۔
زہ : کنارہ۔

یا رب ! چمنِ نظم کو گل زارِ ارم کر

گل زار : گلستان، چمن
ارم : جنت
مبدا : اصل، آغاز
اقلیم : ملک، ولایت
بَرومند : پھل لانے والا، بامُراد

نِکو : نیک
نظمِ ثریا : سات سہیلیوں کا جھمکا
گلِ تر : تازہ پھول
سماوات : سماء کی جمع۔ آسمان۔
سمک : مچھلی۔
غوّاص : غوطہ خور۔
لَآلی : لال کی جمع۔ قیمتی پتھر۔

چپ کی داد

زینت : رونق۔
حلاوت : مٹھاس، شرینی۔
عفت : پاک دامنی۔
مونس : معاون، مددگار۔
عُسرت : مُفلسی، تنگ دستی۔

مردِ مسلمان

لحظہ : ساعت، پل۔
بُرہان : روشن اور واضح دلیل۔
نشیمن : آرام کی جگہ۔
میزان : ترازو۔
آہنگ : انداز، طور طریقہ۔
قہاری : غضب ناکی۔
غفاری : بخشنا۔
قدوسی : برکت، پاکیزگی۔
جبروت : قدرت، عظمت۔

نوائے سروش

سفینہ : کشتی۔
گھاٹ : وہ مقام جہاں سے کشتی پر سوار ہوں یا اُتریں۔
برق رو : برق رفتار۔ تیز رو۔ بجلی کی رفتار سے چلنے والا۔
تیز گام : تیز رفتار، جلد جلد قدم اٹھانے والا۔
روش روش : جابہ جا، ہر طرف۔
شاخ تراشی : پودوں کی کاٹ چھانٹ کرنا۔

رباعیات

نافہم : کم عقل۔

عرفانِ حیات : خود شناسی۔
حبِ وطن : وطن کی محبت۔
یک رنگ : مُخلص۔

قطعات

نہاں : چُھپا ہوا۔
تدریج : آہستہ اور درجہ بہ درجہ۔
برکھا : برسات۔
گھنگھور : نہایت سیاہ۔ خوف ناک۔ گہرا بادل۔

سائیڈ اِفیکٹس

تبخیر : گرمی کی شدت، حرارت، بخار۔
نسیان : بھولنے کی عادت۔
ثقلِ سماعت : سننے کا بوجھ۔ کم سنائی دینا۔
دیدہ : آنکھ۔

چاند میری زمیں

دہقان : کسان۔
کوہ کن : پہاڑ کھودنے والا۔
خیبر شکن : خیبر کو توڑنے والا۔
ملاح : مچھیرے۔

اِستغاثہ

چاہ : کنواں۔
عفو : معاف کرنا۔
مہر و وفا : محبت و عنایات۔ مروّت۔
رفاقتیں : وفاداریاں، خیر خواہیاں۔

مشورہ

سرکش : باغی، منہ زور۔

غزلیات - خواجہ میر درد

مقدور : طاقت ہونا۔ ہمت ہونا۔
وصفوں : وصف کی جمع۔ خوبیاں۔
مَسنَدِ عزت : عزت والا مقام۔
لوح و قلم : تقدیر۔

کیا تاب : کیا مجال۔ ممکن نہ ہونا۔
تعقّل : عقل میں آنا۔ سمجھ میں آنا۔
شیخ و برہمن : مسلمان اور کافر۔
مانندِ حباب : بلبلے کی طرح۔
عرصہ کھینچنا : زندگی گزارنا۔
دوئی : دو ہونا۔ شرک۔
قاصد : پیغام لے جانے والا۔
زنہار : ہر گز۔
پھولنا : غرور کرنا۔
اپنے تئیں : خود کو۔

غزلیات - میر تقی میرؔ

نگفتہ : نہ کہی ہوئی۔ اَن کہی۔
صوت : آواز۔
جرس : قافلے کا گھنٹا جو اونٹ کے گلے میں باندھتے ہیں۔
کارواں : قافلہ۔
اصل مدعا : مقصد حیات۔
فراق : دوست کی جدائی۔
مستعار : اُدھار لیا ہوا۔
مُنعِم : نعمتوں سے نوازا گیا۔ مال دار۔
قاقُم : نیولے کی طرح کے ایک جان ور کی کھال کا لباس۔
سنجاب : چوہے کی طرح کے ایک جان ور کی کھال کا لباس۔
رِند : مست یا فقیر۔
عُور : بے لباس۔
کاسہ ٔ سر : کھوپڑی کا ڈھانچا۔
استخوان : ڈھانچا۔
چُور : ٹوٹا پھوٹا۔
کبھُو کسُو : کبھی کسی (قدیم اردو)۔
رشک : فخر۔

غزلیات - خواجہ حیدر علی آتش

خلقِ خدا : لوگ
غائبانہ : غیر موجودی میں

زر بہ کف: (صنعتِ حسنِ تعلیل ہے) اپنے ہاتھ میں سونا لیے ہوئے۔
قارون: ایک نہایت ہی امیر شخص جس کے خزانے کے چالیس گھر تھے۔
اسپِ عمر: زندگی کا گھوڑا (مراد زندگی)۔
مہمیز: سوار کی ایڑھی میں لگی ہوئی لوہے کی کیل یا نوک دار آلہ۔
تازیانہ: کوڑا۔ چابک۔
طَبل و عَلَم: مُراد ہے فوجی سامان۔ اسلحہ۔
طبل: ڈھول۔ نقّارہ۔
عَلَم: جھنڈا۔ پرچم۔
نہال: خوش۔
باغ بان: مالی۔
بارِ گراں: بھاری بوجھ۔ مراد ذمّے داری۔
قفس: پنجرا۔
صیّاد: شکاری۔
زیست: زندگی۔

غزلیات - مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

مدّعا: معاملہ۔
سبزہ و گل: تمام ہری چیزیں۔ مراد بہار کے دن۔
سنگ و وخشت: پتھر۔ اینٹ۔
دل فروز: دل کو روشن کرنے والا۔
مہرِ نیم روز: آدھے دن کا سورج۔ مراد انتہائی چمکتا سورج۔
بندِ غم: غم کی قید۔
خستہ: شکستہ/ہارا ہوا۔
قیدِ حیات: زندگی کی پابندی۔
غالبِ خستہ: بوڑھا غالب۔ کم زور غالب۔

غزل - داغ دہلوی

کَسَر: کمی۔
غنیمت: قابلِ قدر۔
بسا: بہت۔

نباہ: وفاداری کرنا۔

غزل - حسرت موہانی

بے دلی: لاتعلقی۔ مایوس۔
انتہائے یاس: مایوسی کی انتہا۔
آستاں: ٹھکانہ۔

غزل - منیر نیازی

صَرصَر: آندھی۔ تیز ہوا۔
زر فشانی: چمک دمک چہرے کی شگفتگی۔

غزل - احمد فراز

مراسم: تعلقات۔
تکلّف: بناوٹ۔ ظاہر داری۔
اِخلاص: نیک نیتی۔ خلوص۔
نادم: شرمندہ۔ پشیمان۔
دام: جال۔ پھندا۔

غزل - قابل اجمیری

عشرت: خوشی۔ عیش۔
زیست: زندگی۔
زنداں: قید۔

پیامِ لطیف (وائی)

لَو لگانا: آسرا رکھنا۔ دل جمانا۔
خستہ حالی: بدحالی۔ خراب حالت۔